ماہ نامہ
ہمدرد نونہال
فروری ۲۰۲۰ء

مسلسل اشاعت کا ۶۷واں سال
سن آغاز ۱۹۵۳ء

ماہ نامہ ہمدرد نونہال

فروری ۲۰۲۰ء
جمادی الثانی ۱۴۴۱ ہجری
شمارہ نمبر ۲ - جلد ۶۸

صدرِ مجلس
سعدیہ راشد

مدیر اعلا
محمد سلیم مغل

معاون مدیر
سلیم فرّخی

کمپوزنگ
محمد اکرم خان

۱۶ویں منزل، بحریہ ٹاؤن ٹاور، طارق روڈ،
پی ای سی ایچ ایس بلاک ۲، کراچی۔
فون: 021-38244000, 38241611 Ext. 1611
ای میل: hfp@hamdardfoundation.org
ویب سائٹ: www.hamdardfoundation.org
ویب سائٹ ادارۂ سعید: www.hakimsaid.info
فیس بک پیج: /hamdardfoundationpakistan

پبلشر سعدیہ راشد نے ماس پرنٹرز کراچی سے چھپوا کر
ادارۂ مطبوعات ہمدرد، ناظم آباد کراچی سے شائع کیا۔

نونہالانِ پاکستان کی تعلیم و تربیت اور صحت و مسرت کے لیے
ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان کے زیرِ اہتمام شائع کیا گیا۔

بہ یاد

شہید پاکستان حکیم محمد سعید
بانی سرپرست

مسعود احمد برکاتی مرحوم
مدیرِ اوّل

قرآنی آیات اور احادیث نبویؐ پر مبنی صفحات کا احترام ہم سب پر فرض ہے۔

قیمت خاص نمبر ۸۰ رُپے
قیمت عام شمارہ ۵۰ رُپے
سالانہ (رجسٹری سے) ۸۰۰ رُپے
سالانہ (عام ڈاک سے) ۶۰۰ رُپے
سالانہ (دفتر سے دستی لینے پر) ۵۰۰ رُپے
سالانہ (غیر ممالک سے) ۴۰ امریکی ڈالر

ڈاک خانے کے نئے قاعدوں کی وجہ سے آئندہ ہمدرد نونہال کی قیمت صرف بینک
ڈرافٹ یا منی آرڈر کی صورت میں قابلِ قبول ہوگی۔ VPP بھیجنا ممکن نہ ہوگا۔

اس شمارے میں

کیا اور کہاں ؟

فروری ۲۰۲۰ء

ربِ زدنی علما (نظم)	حمایت علی شاعر	۴
عظیم قائد	مطلوب الحسن سید	۹
جاگو جگاؤ	حکیم محمد سعید	۱۰
پہلی بات	سلیم مغل	۱۱
یہ جو اپنی گول زمیں ہے (نظم)	احمد حاطب صدیقی	۱۳
روشن خیال	ادارہ	۱۵
پھول ناراض نہیں ہوں گے	نذیر انبالوی	۱۶
اسکیم زیرو زیرو	معراج	۲۱
حرفوں کا گورکھ دھندہ	تحقۂ مدیر	۲۸
غریب ترین وزیراعظم	ادارہ	۳۲
شین شرارت	ننھے مزاح نگار	۳۳
پانچواں احمق	انتخاب: عاجز میرپوری	۳۹
حکیم محمد سعید کے ۱۰۰ سال	ادارہ	۴۳
آگے بڑھتے جائیں ساتھی	سین۔میم	۴۶

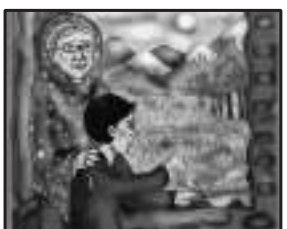

پھول ناراض نہیں ہوں گے 16

اسکیم زیرو زیرو 21

پانچواں احمق 39

سفرنامۂ امریکا	سلیم مغل	۴۷
بلاعنوان انعامی کہانی	راؤ جی	۵۳
انعامات یلاعنوان کہانی	ادارہ	۶۳
عظیم انسان	پروفیسر ڈاکٹر فضل حق فاروقی	۶۵
نونہال مصوّر	ننھے فن کار	۶۸
نونہال خبرنامہ	سلیم فرخی	۷۰
گلہری	محمد فرحان اشرف	۷۳
میرے وطن کے بچو! (نظم)	آمنہ عالم	۷۷
جوابات معلومات افزا	ادارہ	۷۸
جھوٹ	سیدہ نازاں جبیں	۸۰
معلومات افزا	سلیم فرخی	۹۰
اہم چیز	جاوید بسام	۹۳
نام یوجھیے	س۔ف	۹۸
نونہال ادیب	لکھنے والے نونہال	۱۰۵
آدمی ملاقات	ادارہ	۱۱۴
نونہال لغت	ادارہ	۱۲۰

رَبِّ زِدْنی عِلما

دعائے سعید

رَبِ اعلا ، رَبِ اکبر
علم کو ہر سُو عام کریں ہم
رَبِّ زِدْنی عِلما

صحت سب سے اچھی دولت
نیک عمل کی رغبت دے دے
رَبِّ زِدْنی عِلما

عزت سے تُو رہنا سکھا دے
دنیا عقبیٰ روشن کردے
رَبِّ زِدْنی عِلما

اپنے دین ایمان کا پرچم
اونچا پاکستان کا پرچم
اونچا پاکستان کا پرچم
رَبِّ زِدْنی عِلما

علم کی دولت ہم کو عطا کر
روشن اپنا نام کریں ہم
رَبِّ زِدْنی عِلما

ہم کو ملے یہ سچی دولت
پیارے نبیؐ کی اُلفت دے دے
رَبِّ زِدْنی عِلما

جو سچ ہو وہ کہنا سکھا دے
دل میں محبت اپنی بھر دے
رَبِّ زِدْنی عِلما

اونچا پاکستان کا پرچم
اونچا پاکستان کا پرچم
رَبِّ زِدْنی عِلما

''دعائے سعید'' ہمدرد کے زیر اہتمام منعقد ہونے والی مختلف تقریبات میں پیش کی جانے والی ایک مقبول دعا ہے۔ ہمدرد پبلک اسکول اور ہمدرد ویلج اسکول کی صبح کی اسمبلی، بزمِ ہمدرد نونہال اور ہمدرد نونہال اسمبلی میں یہ دعا لازمی طور پر پڑھی جاتی ہے۔ ہمدرد یونی ورسٹی کے سالانہ جلسۂ تقسیمِ اسناد میں بھی ''دعائے سعید'' کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

دعائے سعید

دعائے سعید کا پس منظر یہ ہے کہ 1991ء میں ہمدرد پبلک اسکول کے قیام سے پہلے شہید حکیم محمد سعید نے یہ خیال پیش کیا کہ قرآن کی آیت ''رَبِّ زِدْنِی عِلما'' کو بنیاد بنا کر ایک ایسی دعا تخلیق کی جائے، جو ہر روز صبح اسکول کی اسمبلی میں پڑھی جا سکے۔ لہٰذا نامور شاعر حمایت علی شاعر کو یہ دعا لکھنے کی دعوت دی گئی۔ انھوں نے حکیم محمد سعید کی مشاورت سے اس کے بول لکھے۔ اس کے بعد مشہور موسیقار جناب جاوید اللہ دتہ نے اس کی دُھن تشکیل دی اور بچوں کے ایک گروپ نے اسے گایا۔ جب یہ دعا تیاری کے مراحل میں تھی تو اس وقت ہمدرد لیبارٹریز (وقف) پاکستان کے مینیجنگ ڈائریکٹر حافظ محمد الیاس نے یہ تجویز دی کہ دعا میں جہاں جہاں ''رَبِّ زِدْنِی عِلما'' آتا ہے وہاں موسیقی نہیں ہونی چاہیے، تاکہ قرآن پاک کی سورۂ طٰہٰ میں موجود اس آیت کا تقدس مجروح نہ ہو۔ سو یہ دعا ان کی تجویز کے مطابق ریکارڈ کی گئی۔

''دعائے سعید'' تمام طالب علموں اور اسکولوں کے لیے ایک جامع اور موزوں دعا ہے۔ اس دعا کے لیے جن الفاظ کا انتخاب کیا گیا ہے، وہ بہت سادہ اور عام فہم ہونے کے ساتھ ساتھ بہت اثر آفریں بھی ہیں۔ منظوم اور مترنم ہونے کی وجہ سے اس دعائیہ نظم کو آسانی کے ساتھ یاد کیا جا سکتا ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ سے علم کی دولت، نیک اعمال، صحت، سچ بولنے، عزّت کی زندگی اور اپنے دین اور ایمان کے پرچم کے ساتھ ساتھ پاکستان کا پرچم بلند رکھنے کی دعائیں مانگی گئی ہیں۔ یوں اس مختصر اور پُر اثر منظوم دعا میں تمام اہم دعائیں یک جا ہو گئی ہیں۔

اے مرے ہم قلمو

شہید پاکستان حکیم محمد سعید لے ۱۰۰ ویں یوم ولادت پر

ہمدرد نونہال ایوارڈ

کا اعلان کرتے ہوئے ہم نہایت خوشی محسوس کر رہے ہیں

۹ جنوری ۲۰۲۱ کو قائدِ نونہال حکیم محمد سعید

کے جنم دن پر یہ ایوارڈ، ایک پروقار تقریب میں

نونہالوں کے غیر معمولی قلم کاروں کو دیئے جائیں گے

بہترین کہانی | بہترین نظم | بہترین سائنسی تحریر | بہترین تخلیقی کاوش

تو پھر ہو جایئے تیار

Get set, ready and go

تفصیلات آئندہ ماہ

Hamdard

Celebrating 100 Years of HAKIM MOHAMMED SAID

خود دھوپ میں جل کر، سب کا سائباں بننے کی
روایت سعید

تھوڑے کو بہت جان کر دل بڑا رکھنے کی
عادت سعید

نعمتِ خداوندی خلقِ خدا میں بانٹنے کی
توفیقِ سعید

جان پر کھیل کر سچ کا علَم بلند رکھنے کا
عزمِ سعید

ولادتِ سعید کے موقع پر،
ہمدرد رہبر کے اوصاف کو اپنے
کردار و عمل کا حصہ بنائیں

شہیدِ پاکستان

حکیم محمد سعید

9 جنوری 1920
9 جنوری 2020

RG BLUE COMMUNICATIONS

عظیم قائد

بھانجے کو نصیحت

مطلوب الحسن سید

قائداعظم کے بھانجے بیرسٹر پیر بھائی بمبئی میں وکالت کرتے تھے۔ قیامِ پاکستان کے بعد کراچی آئے۔ قائداعظم سے ملاقات ہوئی تو آپ نے پوچھا: ''کب تک ٹھہرو گے؟''

پیر بھائی بولے: ''میں کراچی میں مستقل سکونت اختیار کرنا چاہتا ہوں۔''

قائداعظم نے کہا: ''میری قرابت داری کی وجہ سے تمھاری اہلیت اور ہماری ضرورت کے باوجود یہاں تمھیں کوئی عہدہ نہیں دیا جاسکتا۔''

پیر بھائی نے کہا: ''آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں ملازمت کا خواہش مند نہیں ہوں۔ الگ تھلگ وکالت کروں گا۔''

قائداعظم نے کہا: ''مجھے معلوم ہے تم اچھے وکیل ہو، لیکن میرے احترام کی وجہ سے اہلِ مقدمہ اور عدالتوں کا تمھارے حق میں رعایت خارج از امکان نہیں۔ لہٰذا میں تمھیں وکالت کا مشورہ نہیں دے سکتا۔''

پیر بھائی، ماموں جان کی مشفقانہ نصیحت سن کر بمبئی واپس چلے گئے۔ انھوں نے وکالت میں بڑا نام پیدا کیا۔ اب ان کا انتقال ہو چکا ہے۔ سپریم کورٹ انڈیا میں مجاہدِ دکن، محمد قاسم رضوی کا مقدمہ آپ ہی نے لڑا تھا۔

جاگو جگاؤ

نونہال دوست، شہید حکیم محمد سعید کی یاد رکھی جانے والی باتیں

یہ بُرائی پاکستان میں نیز بہت سے سے غفلت میں پڑے ہوئے ایشیائی ممالک میں جاری وساری ہے کہ رئیس اور امیر لوگ اپنے گھروں میں نونہالوں کو بہ طور گھریلو ملازم رکھتے ہیں۔ اکثر و بیشتر حالات میں ان معصوم نونہالوں سے جو کام لیے جاتے ہیں وہ بڑے افسوس ناک ہیں۔ ان نونہالوں کے ذمے دولت مندوں کے بچوں کو کھانا کھلانا، گھر کی صفائیاں کرنا، بازاروں سے سودا سلف خرید کر لانا وغیرہ شامل ہیں۔ معصوم نونہالوں سے ان کی غربت کے جرم میں امیر گھرانوں میں پست درجے کے کام کرانا بجائے خود قابل توجہ ہے، مگر اس سے زیادہ غیر ہمدردانہ رویہ یہ ہے کہ ان نونہال نوکروں کو تعلیم سے محروم رکھا جارہا ہے۔ امیروں اور رئیسوں کے جن بچوں کی یہ غریب نونہال خدمتیں کرتے ہیں وہ تو اعلا درجے کی تعلیم حاصل کررہے ہیں، مگر غریب نونہال تعلیم سے محروم رہتے ہیں۔

ہونا یہ چاہیے کہ ان غریب نونہالوں کو اپنی اولاد سمجھا جائے اور ان پر تعلیم کے دروازے کھول دیے جائیں۔ ان کے ساتھ وہی ہمدردانہ اور مشفقانہ برتاؤ کیا جائے جو بڑے لوگ اپنے لاڈلے اور چہیتے نونہالوں کے ساتھ کرتے ہیں۔ ان کو اسی محبت بھری نظر سے دیکھا جائے جس سے دولت مند والدین اپنے پیارے بچوں کو دیکھتے ہیں۔ اگر ہم سب اس طرف توجہ کریں اور ان محنت کرنے والے بے سہارا نونہالوں کو اپنے بچوں کے برابر سمجھ لیں تو نہ صرف اللہ تعالیٰ ہم سے خوش ہوں گے، بلکہ یہ غریب نونہال بھی بڑے ہوکر کسی قابل ہوسکیں گے اور ملک اور قوم کے لیے بوجھ بننے کے بجائے مفید ثابت ہوں گے۔ ہماری معمولی سی محبت ان کو بھی تعلیم کی دولت سے مالا مال کردے گی۔

(ہمدرد نونہال اپریل ۱۹۹۵ء سے لیا گیا)

پہلی بات

سلیم مغل

''حیدرآباد سے کراچی آتے ہوئے، دورانِ سفر احساس ہوا کہ نمازِ عصر کا وقت ختم ہوا جاتا ہے، تب میں نے سڑک کنارے ایک خستہ حال سی مسجد کے قریب گاڑی روکی اور نماز کی ادائیگی کے لیے مسجد کے اندر چلا گیا۔ ایک شخص پہلے سے مسجد کے اندر سجدے کی حالت میں نظر آیا۔ مجھے محسوس ہوا کہ اس کا سجدہ کافی طویل ہوگیا ہے پھر کچھ سسکیوں کی آوازیں بھی آئیں۔ میں نے اسے بھی ''توبہ واستغفار'' کی کیفیت ہی جانا اور اپنی نماز جاری رکھی۔ دورانِ نماز ہی مجھے خیال آیا کہ یہ شخص کسی ضرورت کی وجہ سے بھی تو پریشان ہوسکتا ہے۔ میں نے نماز مکمل کی اور اس کے سجدے سے اُٹھنے کا انتظار کرنے لگا۔ وہ سجدے سے اُٹھا تو اس کا چہرہ آنسوؤں سے تر اور رونے کی وجہ سے آنکھیں سرخ ہوچکی تھیں۔ میں نے اس سے کہا کہ وہ اپنی پریشانی مجھے بتائے۔ میرے اصرار پر وہ اپنے گھریلو مسائل اور مالی پریشانی کا ذکر کرنے لگا۔ مجھے اس کے بیان میں کوئی بناوٹ نظر نہ آئی۔ میں بھلا اس وقت اس کے لیے کیا کرسکتا تھا۔ کچھ رقم جو میری جیب میں تھی، میں نے نکال کر اُسے دے دی۔ اس نے بھی اس رقم کو تھوڑی سی جھجک کے بعد قبول کرلیا۔ پھر مجھے خیال آیا تو میں نے اپنا تعارفی کارڈ اسے دیتے ہوئے کہا کہ ''کراچی کی طرف آنا ہو تو مجھے فون کرلینا، میں کوشش کروں گا کہ تمھاری کچھ اور مدد کرسکوں۔''

میری بات اس نے پوری توجہ سے سنی مگر کارڈ لینے سے انکار کردیا۔ مجھے اس کے اس طرزِ عمل پہ حیرت ہوئی۔ میرا تجسس فطری تھا۔ میں نے جب کارڈ نہ لینے کی وجہ جاننے پر اصرار کیا تو مجھ سے کہنے لگا۔ آج آپ یہاں میری کال پر تو نہیں آئے ناں! میں نے تو کسی اور کو کال کی تھی۔ اسی نے تو آپ کو میری طرف بھیجا ہے۔ آیندہ بھی اُسی کو کال کروں گا، آپ کو کیوں کروں۔ میں حیرت سے اسے دیکھتا رہ گیا۔

یقیناً یہ واقعہ میرے ساتھ پیش نہیں آیا، مگر جس کسی کے ساتھ بھی آیا، میں نے اسے جیسے سنا بالکل ویسے ہی یہاں تحریر کردیا۔ غور کیجیے کبھی ایک عام سا آدمی بھی توکّل کی کس منزل پر کھڑا ہوا نظر آجاتا ہے۔

ہم لوگ جو اپنی دنیاوی کامیابیوں کے لیے کبھی ٹائم مینجمنٹ اور کبھی بزنس مینجمنٹ کی تعلیم ہی کو سب کچھ سمجھ رہے ہوتے ہیں اور کبھی ڈگریوں کو اور کبھی سرمائے اور تعلق کو اپنی کامیابی کی ضمانت سمجھنے لگتے ہیں۔

کاش ہم کبھی ان تمام اسباق کو پڑھنے سے پہلے ''اللہ توکّل'' کا سبق بھی پڑھ لیا کریں۔

Press ad

Page 12

یہ جو اپنی گول زمیں ہے

احمد حاطب صدیقی

ننھی سے یہ بولیں نانی — میری پیاری گڑیا رانی
تو نے یہ کیا کھیل دکھایا؟ — کھول دیا کیوں نل کا پانی؟
آجا میری گود میں آجا — سُن لے مجھ سے ایک کہانی
یہ جو اپنی گول زمیں ہے — پہلے پہل تھی پانی پانی
سب دُنیا تھی ایک سمندر — جس کی لہریں تھیں طوفانی
رفتہ رفتہ اُبھری خُشکی — ہولے ہولے اُترا پانی
پیڑ، پہاڑ، چٹانیں، صحرا — جنگل کا جنگل حیوانی
ساری چیزیں ہوگئیں پیدا — تب آئی وہ صبح سُہانی
جب اللہ نے حکم سے اپنے — دکھلانے کو اپنی نشانی
دُنیا میں انسان کو بھیجا — خوب بڑھی نسلِ انسانی
تم کو سُن کر حیرت ہوگی — میری پیاری گڑیا رانی
حصے چار زمیں کے ہوں تو — ایک ہے خُشکی تین ہے پانی
لیکن استعمال کے قابل — زیادہ پانی نہیں ہے جانی
تھوڑا تھوڑا خرچ کریں ہم — نل کی ٹونٹی نہیں بہانی

دودھ پیئں، خوب جیئں

اس انمول نعمت میں کیلشیم، پروٹین

اور بہت سے معدنی اجزا شامل ہیں

دودھ کا روزانہ استعمال

اچھی صحت، بیدار ذہن اور خوشگوار زندگی کی ضمانت ہے

دودھ پینے کو اپنی عادت کا حصہ بنایئے

اشتہار برائے آگہی

ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان

No opportunity is lost;
the other fellow takes it.

پھول ناراض نہیں ہوں گے

نذیر انبالوی

دادی جان نے عبداللہ کی پیشانی پر ہاتھ رکھا تو انھیں یہ جان کر خوشی ہوئی کہ بخار کی شدت میں خاصی کمی ہوگئی ہے۔ وہ ساری رات اپنے پوتے کی چارپائی کے قریب بیٹھی رہی تھیں۔ عبداللہ کی والدہ دو سال پہلے ایسے ہی موسم میں اللہ تعالیٰ کے پاس چلی گئی تھیں۔

عبداللہ اس وقت آٹھ سال کا تھا۔ ماں کی جدائی میں وہ خوب خوب رویا، آخر صبر آ ہی گیا۔ سردیوں نے اپنی آمد کا اعلان کیا تو عبداللہ کو کشمیری سبز چائے کی یاد ستانے لگی۔

دادی جان خود بیمار تھیں۔ گھر کا کام کرنا ان کے بس کی بات نہ تھی۔ کارخانے جانے سے پہلے ابو جان گھر کا کچھ کام کر دیتے اور باقی کام دادی جان دن بھر میں کرتیں۔ انھیں معلوم تھا کہ عبداللہ کو سبز چائے بہت پسند ہے۔ وہ ہر روز ایک مرتبہ اپنے پوتے کے لیے سبز چائے بناتیں۔ عبداللہ مزے دار سبز چائے چسکیاں لے لے کر پیتا اور ہر گھونٹ پر ''واہ واہ'' کرتا جاتا۔

باورچی خانے میں الماری میں چار کپ دکھائی دیتے تھے۔ ہر کپ پر ایک ایک تصویر تھی۔ تین کپ تو ہر روز استعمال ہوتے تھے۔ بس ایک کپ الماری ہی میں رکھا رہتا۔ وہ کپ عبداللہ کی امی جان کا تھا۔ عبداللہ جب بھی باورچی خانے میں آتا اس کی نظر کپ پر پڑتی تو بے اختیار اسے امی جان کی یاد آ جاتی۔

کیا خوب صورت دن تھے۔ جب موسمِ بہار میں پہاڑیوں پر رنگ برنگے پھول کھلتے تو عبداللہ امی جان کی اُنگلی پکڑے ان پھولوں کو دیکھنے ضرور جاتا۔ پھول تو اس بار بھی کھلے تھے، مگر اس بار امی جان نہیں تھیں۔ اب کی بار اس کی اُنگلی دادی جان نے پکڑی تھی۔ ایک رنگ برنگے پھول کو دیکھتے ہوئے اچانک اس نے سوال کیا: ''کیا ہم ایسے پھول گھر میں اُگا سکتے ہیں؟''

''ہاں، میرے بیٹے! ایسا کیا تو جا سکتا ہے۔'' دادی جان نے محبت بھرے انداز میں جواب دیا۔

عبداللہ نے گھر میں پھول اُگانے کے لیے اپنے دوست دانیال کے ابو کی مدد لی۔ دانیال کے ابو کی پودوں کی نرسری تھی۔ زمین کی تیاری سے لے کر پھولوں کے ننھے ننھے پودے اُگانے تک ایک تجربہ کار مالی نے عبداللہ کی رہ نمائی کی۔ پودوں کی حفاظت عبداللہ کے ساتھ ساتھ دادی جان نے بھی اپنے ذمے لے لی تھی۔ اب تو ہر روز عبداللہ پودوں کو پانی دیتا۔ ہر پودے کو غور سے دیکھتا۔

ننھے ننھے پتوں پر اوس کے قطرے جب سورج کی روشنی سے چمکتے تو بہت بھلے دکھائی دیتے۔
عبداللہ کی جب بھی آنکھ کھلتی، وہ اپنے کمرے کی کھڑکی کھول کر پودوں پر نگاہ ڈالتا۔
وقت کے ساتھ ساتھ پودے بڑھتے چلے گئے۔ اس دن تو عبداللہ کے پاؤں زمین پر نہ ٹکتے تھے۔ جب دو تین پودوں پر کونپلیں پھوٹ پڑیں تھیں۔ دادی جان نے اسے بتایا کہ اب ان کونپلوں سے پھول نکلیں گے۔ پیارے پیارے، خوب صورت پھول۔ عبداللہ کو اس روز کا شدت سے انتظار تھا جب پھولوں کو ان کے آنگن میں کھلنا تھا۔ اگلے دن عبداللہ نے اسکول جاتے ہوئے اور پھر واپس آتے ہی کونپلوں کو غور سے دیکھا۔
وہ چھٹی کا دن تھا۔ عبداللہ نے بستر سے نکل کر کھڑکی کے پٹ کھولے تو ایک پودے پر کھِلے ہوئے پھول پر اس کی نظر پڑی تو وہ خوشی سے بھاگتا ہوا کمرے سے باہر آ کر چلّانے لگا:
''دادی جان، ابو جان، دادی جان! ابو جان!''
دادی جان تو تھوڑی دیر کے بعد باہر آئیں۔ پہلے ابو جان اس کے سامنے سوالیہ نشان بنے کھڑے تھے۔
''ابو جان! وہ دیکھیے کتنا خوب صورت پھول کھلا ہے، آپ خود دیکھ لیجیے۔'' ابو جان اور دادی جان نے عبداللہ کو ایک عرصے کے بعد اتنا خوش دیکھا تھا۔
امی جان کے دنیا سے جانے کے بعد وہ مرجھا سا گیا تھا۔ دادی جان نے اس کی پیشانی پر بوسہ دیتے ہوئے کہا: ''میرے آنگن کا پھول اسی طرح کِھلا رہے۔''
عبداللہ کے گھر میں بنے چھوٹے سے باغیچے میں پھول کِھلتے ہی چلے گئے۔ وہ ان رنگ برنگے پھولوں کے بارے میں اپنے دوستوں کو بتاتے ہوئے بہت فخر محسوس کرتا۔ اپنے ماموں زاد بھائی شارق کو ان پھولوں کی تصویریں واٹس ایپ کیں تو اس نے لکھا کہ وہ جلد آ کر ان پھولوں کو دیکھے گا۔ آنگن کے ساتھ ساتھ پہاڑیوں کے پھولوں نے بھی اپنی بہار دکھانا شروع کر دی تھی۔

بہار کے موسم میں وادیٔ کشمیر پھولوں کی خوشبو سے مہک اُٹھتی ہے۔عبداللہ نے اس موسمِ بہار میں شارق کے ساتھ پہاڑیوں پر جانے کا فیصلہ کیا تھا۔شارق نے اتوار کو اس کے پاس آنے کے لیے کہا۔سب تیاریاں مکمل تھیں۔عبداللہ نے ایک بیگ میں کھانے پینے کی چیزیں بھی رکھ لی تھیں۔

شارق کے آنے سے ایک دن پہلے پورے علاقے میں کرفیو لگا دیا گیا۔دادی جان نے اسے بتایا کہ ان حالات میں کوئی اپنے گھر سے باہر نہیں نکل سکتا۔ابو جان بھی کارخانے نہ جا سکے۔اسکول بھی بند تھا۔کچھ دن تو موبائل فون کی سہولت حاصل تھی، پھر وہ سہولت بھی ختم ہوگئی۔سب لوگ اپنے اپنے گھروں میں قید ہو کر رہ گئے۔

عبداللہ اپنے آنگن میں کھِلے پھول دیکھ کر تو خوش تھا ہی اس کی خواہش تھی کہ وہ پھولوں کو دیکھنے کے لیے پہاڑیوں پر بھی جائے۔اسے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ پھول اس کا انتظار کر رہے ہیں۔جب بھی کرفیو میں ذرا نرمی ہوتی وہ دادی جان کی اُنگلی پکڑ کر ضد کرتا: ''چلیں پہاڑیوں پر پھول دیکھنے کے لیے۔''

دادی جان اس سے کہتیں: ''پہاڑ دور ہیں، کرفیو پھر لگ جائے گا، واپسی نہیں ہو سکے گی۔''

''ہم واپس نہیں آئیں گے، پھولوں کے پاس ہی رہیں گے، چلیے دادی جان!''

عبداللہ کی معصومیت پر دادی جان کو پیار آ جاتا وہ آخر اپنے پیارے پوتے کو کسی طرح سمجھاتیں۔عبداللہ اپنی ضد پر اَڑا رہا۔ضد کرتے کرتے وہ رو دیا تھا۔دادی جان اور ابو جان اس کے سرخ و سپید رخساروں پر پھیلتے آنسو دیکھ کر تڑپ کر رہ گئے تھے۔

دادی جان نے اُسے گود میں بٹھا لیا تھا۔عبداللہ کا جسم گرم تھا۔شام تک بخار کی شدت میں مزید اضافہ ہو گیا تھا۔گھر سے باہر جانے کی اجازت نہیں تھی، اس لیے گھر میں جو دوا تھی، وہ عبداللہ کو پلا دی گئی۔جب بخار کی شدت زیادہ ہوئی تو دادی جان نے ٹھنڈے پانی میں تولیہ ڈبو کر اس کی

پیشانی پر رکھ دیا۔ یہ عمل وہ رات بھر دہراتی رہیں۔ صبح تک بخار خاصا کم ہوگیا تھا۔ سورج نے کھڑکی سے جھانک کر اپنی آمد کی خبر دی تو عبداللہ نے آنکھیں کھول دیں۔ کھڑکی کا پٹ کھلتے ہی اپنے آنگن میں کھِلے پھولوں پر اس کی نظر پڑی تو اس کی آنکھوں کے سامنے پہاڑیوں پر کھِلے پھول لہلہانے لگے۔

''دادی جان! وہ پہاڑیوں کے خوب صورت پھول.....''

''ابھی باہر کرفیو ہے، ہم وہاں نہیں جاسکیں گے۔'' دادی جان نے اس کی بات درمیان سے اُچک لی تھی۔

''کرفیو کب ختم ہوگا؟'' عبداللہ نے پوچھا۔

''معلوم نہیں، یہ کرفیو کب ختم ہوگا۔''

''پھول مجھ سے ناراض تو نہیں ہوں گے۔ وہ میرا انتظار تو کر رہے ہوں گے؟''

عبداللہ کی معصوم باتوں پر صدقے واری جاتے ہوئے دادی جان بولیں: ''پھول تم سے ناراض نہیں ہوں گے۔ انھیں معلوم ہے کہ تم ان کے پاس کیوں نہیں آئے۔ ناشتا کر کے دوا کھالو، وہ دن ضرور آئے گا جب ہم پھولوں کی وادی میں جائیں گے۔''

''دادی جان! وہ دن کب آئے گا؟'' عبداللہ نے اپنے آنگن میں بہار دکھاتے پھولوں کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''وہ دن بہت جلد آئے گا۔'' دادی جان نے جواب دیا۔

عبداللہ کو اس دن کا انتظار ہے جب وہ وادی میں پھولوں سے ملنے جائے گا۔ وہ دن خدا جانے کب آئے گا!

اسکیم زیرو زیرو

معراج

اللہ تعالیٰ ماسٹر کریمو کو مرنے کے بعد کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے، بلکہ جنت کا داروغہ ہی بنا ڈالے۔ ان کے انصاف کا طریقہ بھی سب سے نرالا ہے۔ وہ باقاعدہ عدالت لگاتے ہیں، جہاں مجرموں کو ان کے سامنے حاضر کیا جاتا ہے۔ کریمو خاں صاحب جج کے فرائض انجام دیتے ہیں اور مجرموں کو ان کے جرم کے مطابق سزا سناتے ہیں۔ مثلاً معمولی مجرموں کو دو چار بیت مار کر چھوڑ دیتے ہیں۔ بعض کو سزائے قید سناتے ہیں۔ یعنی مجرم کو چھٹی کے بعد بھی گھنٹہ دو گھنٹے اسکول

میں ٹھہرنا پڑتا ہے۔ بعض کو سزائے قید با مشقت دیتے ہیں، یعنی چھٹی کے بعد اسکول میں ٹھہرنے کے ساتھ ساتھ صفائی ستھرائی بھی کرنی پڑتی ہے۔ سب سے بدترین سزا پھانسی ہوتی ہے۔ پھانسی دینے کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ مجرم کی ٹانگوں میں رسی باندھ کر اسے اُلٹا لٹکایا جاتا ہے۔ دو منٹ کے بعد ہی اس کی حالت غیر ہونے لگتی ہے۔ آنکھوں تلے اندھیرا چھا جاتا ہے۔ دل دھا دھم، دھما دھم دھڑکنے لگتا ہے، لیکن کیا مجال جو ماسٹر کریموخاں کے کانوں پر جوں رینگ جائے۔

اس خاکسار کو بھی پھانسی کا شرف حاصل ہو چکا ہے۔ یہ سب ہمارے جانی دشمن مقصود ے عرف مقصود چودھری کی مہربانی سے ہوا۔

ایک دن میں اسکول کے صحن میں سے گزر رہا تھا۔ دولڑکے بھاگتے ہوئے میرے پاس آئے اور بولے: ''ماسٹر کریموخاں صاحب نے کہا ہے کہ چھٹی ہوگئی ہے۔ گھنٹی بجادو۔''

میں نے بےفکر ہوکر گھنٹی بجادی۔ اس کے ساتھ ہی لڑکوں کا ایک غول شور مچاتا ہوا نکلا۔ اچانک زلزلہ سا آ گیا۔ میرا منھ چرخے کی طرح گھوم گیا اور میں لڑھکنیاں کھاتا ہوا دور جا گرا۔ میں نے بہت مشکل سے سر گھما کر دیکھا، یہ ماسٹر کریموخاں تھے، جنھوں نے ابھی چند سیکنڈ پہلے کوئی ڈیڑھ پاؤ کا چانٹا مجھے رسید کیا تھا۔

''تم نے گھنٹی کس کے حکم سے بجائی ہے؟'' انھوں نے غصے سے پوچھا۔

''آپ کے حکم سے۔'' میں نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔

انھوں نے ایک اور ڈیڑھ پاؤ کا چانٹا رسید کیا اور دھاڑے: ''کیا بکتے ہو۔''

میری آنکھوں سے پردہ سا ہٹ گیا۔ میں صاف طور سے جان گیا کہ میرے خلاف سازش ہوئی ہے اور اس میں مقصود ے کا ہاتھ ہے۔

کریموخاں چیخ کر بولے: ''اب قطب مینار بنے ہوئے کیوں کھڑے ہو؟ بکتے کیوں نہیں؟''

میں اپنی صفائی میں کچھ کہنا چاہتا تھا، لیکن بدحواسی میں کچھ بھی تو نہ کہہ سکا۔
ماسٹر کریموخاں کی مونچھیں غصے سے پھڑک رہی تھیں اور میرا دل دھڑ دھڑ دھڑک رہا تھا۔
''اسے گرفتار کر کے عدالت میں پیش کیا جائے۔'' کریموخاں شاہانہ انداز میں بولے۔
جب مجھے اُجڈ قسم کے لڑکے کھینچتے ہوئے لے جا رہے تھے تو روفی نے میرے کان میں کہا: ''مجھے تمھارے بے قصور ہونے کا پورا یقین ہے۔ خبردار! گھبرانا مت۔ ہر مومن کی زندگی میں آزمائش کی گھڑی آتی ہے۔'' میری ہمت ایک دم بڑھ گئی اور میں یوں اکڑ اکڑ کر چلنے لگا کہ جیسے میری تاج پوشی ہونے والی ہے۔
نہ جانے میں نے کیا کچھ کہا، لیکن کریموخاں نے میری بات سننے سے انکار کر دیا۔ میں نے احتجاج کیا۔ اس پر کریموخاں اور بگڑے، وہیں بیت مار مار کر میری چمڑی اُدھیڑ دی اور مجھے سولی پر لٹکانے کا حکم دے دیا گیا۔
جب میں پھانسی سے اُتارا گیا تو بہت دیر تک ہوش و حواس درست نہ ہوئے۔ مقصود چپکے چپکے مسکراتا رہا۔ میں جانتا تھا کہ یہ ساری گڑبڑ اسی نے کی ہے۔
روفی دانت پیس کر بولا: ''اللہ دشمن کو بھی ایسا دشمن نصیب نہ کرے۔''
جب وہ گردن اکڑائے ہوئے ہمارے پاس سے گزرا تو انور موٹو نفرت سے بولا: ''شکل بھوتوں کی، دماغ شیطانوں کا۔''
اسی شام میرے کمرے میں میٹنگ ہوئی۔ روفی نے کہا: ''اگر اس شرارت کا بدلا نہ لیا تو روفی نام نہیں، بلکہ میرا نام پلٹ کر فیرورکھ دینا۔''
اچانک موٹو زور سے بولا: ''بھئی واہ! کیا منصوبہ ذہن میں آیا ہے۔ اس کا نام ہے، زیرو زیرو پلان۔''
اقبال عرف بھالو کھانس کر بولا: ''بھئی ذرا سلیس اردو میں بولو۔''
موٹو بولا: ''ہم اس کے ذہن میں یہ بٹھا دیں کہ وہ بہت ہی لائق لڑکا ہے اور اسے پڑھنے کی

ضرورت نہیں۔ وہ پڑھے بغیر ہی اول آ جائے گا اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا.....''

میں نے کہا: ''وہ تو ویسے ہی پھسڈی ہے۔ اس فضول اسکیم سے کیا فائدہ۔''

روفی جلدی سے بولا: ''جب ہم بولا کریں تو ٹوکا مت کرو۔ سمجھے بدھو۔''

ان تینوں نے زور و شور سے اس پروگرام پر عمل شروع کر دیا۔ مقصودے کو کلاس کا مانیٹر بنوایا گیا۔ کرکٹ ٹیم کا کپتان بھی اور نہ جانے کیا کیا۔ نتیجہ نکل آیا۔ میں اپنی جماعت میں سوم آیا۔ انور موٹو اور بھالو بھی پاس ہو گئے۔ روفی رعایتی نمبروں سے پاس ہو گیا۔ ہمارا جانی دشمن مقصود فیل ہو گیا۔

ہیڈ ماسٹر صاحب نے کہا: ''مقصود فیل ہونے والوں میں اول نمبر پر ہے۔ اس کے ہر مضمون میں زیرو زیرو نمبر آئے ہیں۔''

ہمیں اپنے پاس ہونے کی اتنی خوشی نہیں تھی جتنی مقصودے کے فیل ہونے کی۔ روفی ہم سے بار بار کہتا: ''اللہ کی قسم دل میں ٹھنڈک پڑ گئی۔''

پھر وہ مقصودے کے پاس پہنچا اور بہت راز داری سے بولا: ''ابھی گھر مت جانا، بلکہ کسی پارک میں چھپ جاؤ۔ شام تک چودھری صاحب کا غصہ کم ہو جائے گا، بلکہ وہ تمھارے لیے اتنے فکر مند ہوں گے کہ سب کچھ بھول بھال جائیں گے۔''

موٹو نے مشورہ دیا: ''تم پارک کی بارہ دری میں چھپ جاؤ۔ وہ سب سے محفوظ جگہ ہے۔''

اور اس بے وقوف نے ہماری بات پر پوری طرح عمل بھی کیا۔ جب ہم چودھری صاحب کے مکان کے پاس سے گزر رہے تھے تو وہ ہمیں دیکھ کر بولے: ''کیوں میاں! نتیجہ نکل آیا ہے تمھارا؟''

روفی فخر سے بولا: ''ہم سب پاس ہو گئے ہیں جی۔''

''اور مقصود کا کیا رہا؟'' چودھری صاحب نے پوچھا۔

روفی نے کہا: ''ماسٹر کریموخاں بتا رہے تھے کہ وہ اسکول میں اول آیا ہے۔''

میں نے روفی کو ٹہوکا مارا۔ وہ بگڑ کر بولا: ''دیکھو جی، جب میں بولا کروں تم ٹوکا مت کرو۔''

چودھری صاحب خوشی سے پھولے نہ سماتے تھے۔ وہ مونچھوں پر تاؤ دے کر بولے: ''تم گلزار حلوائی کے پاس سے گزرو تو اسے پانچ سیر لڈو کا کہہ دینا۔''

میں نے روفی سے اس حمایت کی وجہ دریافت کی تو وہ بولا: ''کل ہی کی تو بات ہے کہ اس نے تمھیں پھانسی دلوائی اور آج تم اس کی پٹائی کا موقع ہاتھ سے جانے دے رہے ہو۔''

موٹو سوچتے ہوئے بولا: ''شاید حکیم افلاطون کا قول ہے یا کسی اور کا کہ دشمن کا کچومر نکال دینا عین عقل مندی ہے۔''

مقصودے کے اول آنے کی خبر پورے شہر میں بجلی کی طرح پھیل گئی۔ روفی نے دو روپے دے کر ڈاکیے کو تاکید کر دی تھی کہ ہر گھر میں گھنٹی بجا بجا کر مقصودے کی خبر بھی سنا تا جائے۔

ہم کوئی گھنٹے یا ڈیڑھ گھنٹے کے بعد چودھری صاحب کے گھر کے پاس سے گزرے۔ وہ دروازے پر مونڈھا بچھائے بیٹھے تھے۔ روفی کو دیکھ کر چودھری صاحب نے کہا: ''مقصودا ابھی تک نہیں آیا۔''

روفی نے مسکین سی صورت بنا کر کہا: ''جی وہ مار کے ڈر سے نہیں آ رہا ہے اور باغ کی بارہ دری کے اندر چھپا ہوا ہے۔''

چودھری صاحب نے حیران ہو کر پوچھا: ''وہ کیوں بھلا؟''

روفی بولا: ''ماسٹر کریموخاں نے کہا تھا کہ مقصود فیل ہونے والوں میں اول نمبر آیا ہے۔ اس کے ہر مضمون میں زیرو زیرو نمبر آئے ہیں۔''

چودھری صاحب کا منھ لٹک گیا۔ ہم نے مقصودے کی تلاش میں چودھری صاحب کی پوری پوری مدد کی اور اس کو باغ کے اس کونے سے ڈھونڈ نکالا، جہاں کچھ دیر پہلے روفی نے خود اسے چھپایا تھا۔

ادھر چودھری صاحب کے گھر مبارک دینے والوں کا تانتا بندھ گیا۔ چودھری صاحب ہر ایک سے کہتے کہتے تھک گئے کہ مقصود فیل ہو گیا ہے۔ غضب تو یہ ہوا کہ ملا لاحول ولا بھی منھ میٹھا کرنے پہنچ گئے۔ جب انھیں اصل بات معلوم ہوئی تو غصے سے بولے: ''اجی لاحول ولا۔ میں تو پہلے ہی

کہتا تھا کہ ان شاءاللہ اس دفعہ برخوردار فیل ہوگا۔ اف لاحول ولا۔''

ان کے جانے کے بعد چودھری صاحب برس پڑے اور مقصود ے کی وہ پٹائی کی کہ وہ ہفتے بھر تک کمر سینکتا رہا۔

اس شام جب ہم روفی کے گھر پہنچے تو چچا شبراتی کو منتظر پایا۔ ان کے تیور بتا رہا تھے کہ وہ سخت غصے کی حالت میں ہیں۔ انھیں ہماری شرارت کا علم ہو چکا تھا۔ چچا شبراتی غصے میں دھاڑے: ''یہ کیا حرکت کی تم نے؟''

روفی ان کا جاہ و جلال دیکھ کر تھر تھر کانپنے لگا۔ ان کی یہ عادت ہے کہ دو چار ہاتھ مار کر کہتے ہیں: ''اب بول۔''

''چچا جان! میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ میں بے قصور ہوں۔''

چچا جان نے جلال میں آ کر ایک خوف ناک سی آواز نکالی اور اس زور سے ہاتھ گھمایا کہ اگر روفی کے پڑ جاتا تو وہ زمین میں دھنس کر رہ جاتا، لیکن میری گناہ گار آنکھوں نے دیکھا کہ چچا جان کا ہاتھ روفی کے سر سے گزر گیا اور وہ چک پھیری کھا کر رہ گئے۔ ادھر روفی نے ایک زوردار چیخ ماری اور میرے ہاتھوں میں جھول کر رہ گیا۔

ہم نے اس زور شور سے فریاد کی کہ در و دیوار ہل گئے۔ چڑیاں درختوں سے اُڑ گئیں۔ مکان کے برآمدے میں سے خواتین دوڑی ہوئی آئیں۔ چچا شبراتی گھبرا کر بھاگ نکلے۔

''ہائے مرنے والا بہت خوبیوں کا مالک تھا۔'' انور موٹو چیخ چیخ کر مرثیہ پڑھنے لگا۔

روفی آنکھ کھول کر بولا: ''اتنی زور سے مت رو کہ مجھے ہنسی آ جائے اور بھالو! تم مجھے گدگدی کیوں کر رہے ہو؟ یاد رکھو ہوش میں آ کر سب سے پہلے تمھاری ٹھکائی کروں گا۔''

موٹو تعجب سے بولا: ''اوہو! تو تم ابھی زندہ ہو۔ لعنت ہی ایسی زندگی پر۔ تم جی کر کیا کرو گے؟ تم کو تو ڈھنگ سے مرنا تک نہیں آتا۔''

روفی نے پھر آنکھیں بند کرلیں۔ خواتین ہمارے پاس آ گئیں اور رونے پیٹنے میں شریک ہوگئیں تب میں نے آہستہ سے کہا: ''شاید بے ہوش ہوگیا ہے۔''

''اسے جوتا سنگھاؤ۔'' موٹو نے بسورتے ہوئے کہا۔

میں نے اسے ڈانٹا: ''بے وقوف! مریض کو دودھ جلیبی کھلانی چاہیے۔''

روفی کم زور سی آواز میں بولا: ''ہاں ہاں، مجھے دودھ جلیبی کھا کر ہی ہوش آئے گا۔''

روفی کی دادی جان نے دس کا نوٹ بھالو کو دیا اور اس کے لیے جلیبیاں منگوائی گئیں۔ وہ راستے میں پاؤ بھر جلیبیاں تو ویسے ہی اُڑا گیا۔ بدقسمتی سے چچا شبراتی بھی ادھر آ نکلے۔ دادی نے انھیں خوب ڈانٹا۔ آخر انھیں جان بچا کر دوبارہ فرار ہونا پڑا۔

وہ دن اور آج کا دن چچا شبراتی جب بھی پٹائی کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو پہلے اِدھر اُدھر دیکھ لیتے ہیں۔ آج بھی انھیں شبہ ہے کہ تھپڑ نہیں لگا تھا اور روفی نے سب ڈراما کیا تھا، لیکن روفی کا اصرار ہے کہ وہ پٹنے کے بعد بے ہوش ہوا تھا۔

ان سب میں کیا قدرِ مشترک ہے اور کیا بالکل مختلف؟

اے کاش زندہ ہو سکے تابندہ روایت حصولِ علم کی

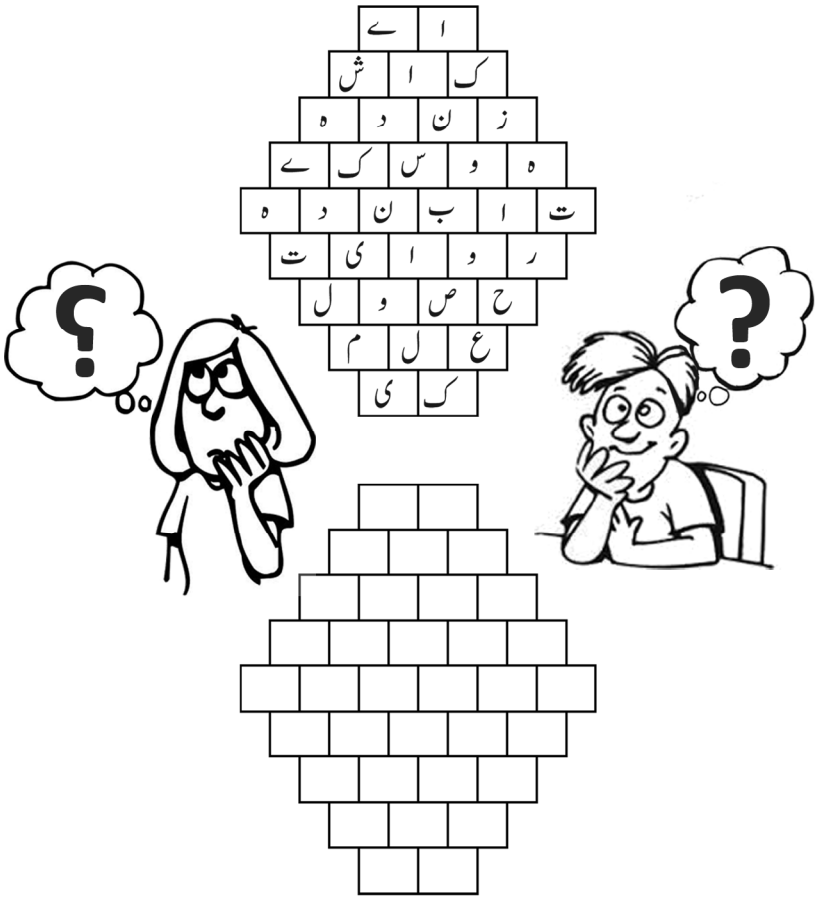

پہلی تصویر کو غور سے دیکھیے ۔ ہر قطار میں لکھے گئے حروف ایک لفظ بنا رہے ہیں اور تمام الفاظ مل کر ایک خوبصورت بامعنی جملہ۔ اگر آپ اس سے بہتر جملہ دے سکیں تو ہمارے پاس آپ کی ذہانت کے اعتراف کے علاوہ ایک خوب صورت انعام بھی موجود ہے۔ نیچے دیئے گئے خاکے میں الفاظ پُر کیجیے اور اس کی فوٹو کاپی ہمیں ارسال کر دیجیے۔

تو پھر بنائیے

ایک لائبریری اپنے گھر میں

شہید پاکستان حکیم محمد سعید کا دیرینہ خواب کہ ”ہر نونہال اپنے گھر میں ایک لائبریری قائم کرے اور اپنے دوست احباب اور اہل محلّہ کو کتاب پڑھنے کی ترغیب دے۔“ ہمدرد فاؤنڈیشن کی طرف سے اس خواب کو تعبیر دینے کی خاطر آگے بڑھ کر آپ کو ایک علمی پیشکش کی جارہی ہے۔ ادارۂ ہمدرد کے زیر اہتمام شائع ہونے والی کتب جن کی قیمت پہلے ہی بہت کم ہے اُسے مزید غیر معمولی رعایت کے ساتھ آپ سب کے لیے پیش کررہا ہے۔ ۵۰ فی صد رعایت کے ساتھ درج ذیل کتب میں سے اپنی پسندیدہ کتابیں خریدیں اور علم و آگہی کی تحریک کو آگے بڑھائیں۔

نمبر شمار	نام کتب	قیمت	نمبر شمار	نام کتب	قیمت
1	سب سے بڑے انسان چھوٹا سائز اردو	50/-	6	نقوش سیرت مکمل (اردو)	150/-
2	سب سے بڑے انسان (پشتو ترجمہ)	7/-	7	نقوش سیرت۔ اول (سندھی)	8/-
3	سب سے بڑے انسان (گجراتی ترجمہ)	6/-	8	نقوش سیرت۔ دوئم (سندھی)	8/-
4	سب سے بڑے انسان (سندھی ترجمہ)	4/-	9	نقوش سیرت۔ سوئم (سندھی)	8/-
5	سب سے بڑے انسان (پنجابی ترجمہ)	7/-	10	نقوش سیرت۔ چہارم (سندھی)	8/-

نمبر شمار	نام کتب	قیمت	نمبر شمار	نام کتب	قیمت
11	نقوش سیرت۔پنجم (سندھی)	50/-	31	امن	40/-
12	نونہال دینیات (اول)	7/-	32	الفارابی	45/-
13	نونہال دینیات (دوئم)	6/-	33	الادریسی	42/-
14	نونہال دینیات (سوئم)	4/-	34	الطّوسی	35/-
15	نونہال دینیات (چہارم)	7/-	35	البیطار	50/-
16	نونہال دینیات (پنجم)	150/-	36	البیرونی	40/-
17	نونہال دینیات (ششم)	8/-	37	الوزان	45/-
18	نونہال دینیات (ہفتم)	8/-	38	القزوینی	40/-
19	نونہال دینیات (ہشتم)	8/-	39	ابن خلدون	40/-
20	خوب سیرت مکمل	74/-	40	الخوارزمی	35/-
21	رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادیاں	45/-	41	ابن یونس	40/-
22	امت کی مائیں	40/-	42	جابر بن حیان	40/-
23	قرآنی کہانی۔حضرت یوسفؑ	30/-	43	آپس کی باتیں	80/-
24	عربی زبان کے دس سبق	75/-	44	ایک طوفانی رات	120/-
25	قاعدہ صحت رنگین اردو	100/-	45	احسان کا بدلہ	20/-
26	Peace Primer	75/-	46	سفید ہاتھی	20/-
27	انگلش doostan no.1	20/-	47	چہکار	20/-
28	انگلش doostan no.2	20/-	48	چوتھا چور	20/-
29	انگلش doostan no.3	20/-	49	کھجور کا باغ	15/-
30	انگلش doostan no.4	20/-	50	وہ درخت	10/-

نمبر شمار	نام کتب	قیمت	نمبر شمار	نام کتب	قیمت
51	بچوں کے حکیم محمد سعید	60/-	69	کتاب دوستاں (اردو)	50/-
52	برونٹے سسٹرز	45/-	70	کھلونا نگر	25/-
53	بالیدگی فکر	35/-	71	کمپیوٹر کیا ہے (سندھی)	25/-
54	پلوں کی کہانی	20/-	72	کہاوتیں اوران کی کہانیاں	40/-
55	ٹامس ہارڈی	45/-	73	گھنٹی	12/-
56	جوہر قابل	45/-	74	ننھا سراغ رساں	80/-
57	چالاک خرگوش کی واپسی	100/-	75	وہ بھی کیا دن تھے	75/-
58	چوراور درویش	20/-	76	ولیئم شیکسپیر	25/-
59	چارلس ڈکنز	20/-	77	ولیئم ورڈورتھ	35/-
60	حکیم عبدالحمید	20/-	78	ہمارے عظیم سائنس دان	60/-
61	خطرناک سمندری مخلوق	10/-	79	ہزاروں خواہشیں	60/-
62	دومسافر دوملک	100/-	80	ہمدرد سائنس انسائکلو پیڈیا نمبر 1	300/-
63	ڈنبنگ بان قیادکا انصاف	20/-	81	ہمدرد سائنس انسائکلو پیڈیا نمبر 2	300/-
64	رڈیارڈ کی کپلنگ	45/-	82	ہمدرد سائنس انسائکلو پیڈیا نمبر 3	300/-
65	سینگ کی تلاش	25/-	83	ہمدرد سائنس انسائکلو پیڈیا نمبر 4	300/-
66	سچا وعدہ	12/-	84	اعضا بولتے ہیں	130/-
67	سعید سپون (سندھی)	80/-	85	عبدالرزاق پہلوان	25/-
68	سیموئل ٹیلر کولرج	35/-	86	قصہ گھڑی کی سوئی کا	25/-

مطلوبہ کتب کے نام علیحدہ کاغذ پر لکھیے، ان کی کل قیمت سے ۵۰ فی صد منہا کیجیے
اور کتابوں کی قیمت منی آرڈر یا بینک ڈرافٹ کی شکل میں ہمیں اس پتے پر بھجوا دیجیے۔

ہمدرد فاؤنڈیشن: سولھویں منزل، بحریہ ٹاؤن ٹاور، طارق روڈ، کراچی۔ فون: ۳۸۲۴۴۰۰۰-۰۲۱

غریب ترین وزیراعظم

سویڈن کے شاہی خاندان کو بین الاقوامی سطح پر اپنے ملک کی ترجمانی کا فریضہ ادا کرنے کا کوئی معاوضہ نہیں دیا جاتا، البتہ شاہی محل کے اخراجات کے لیے انھیں حکومت کی جانب سے ایک سو ملین کرونا کا وظیفہ ملتا ہے، جو محل کے دو سو سے زائد خدمت گزاروں کو معاوضہ ادا کرنے میں ہی ختم ہو جاتا ہے، بلکہ اس میں سے ستر ملین محل کی دیکھ بھال، جانوروں کے چارے اور شاہی نوادرات کی جھاڑ پونچھ پر اُٹھ جاتا ہے۔ شاہی مہمانوں کی خاطر مدارات بھی اسی وظیفہ سے کی جاتی ہے۔ کبھی کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ شان و شوکت کو برقرار رکھنے کے لیے بادشاہ کو ذاتی رقم خرچ کرنی پڑتی ہے۔ اس پر طرہ یہ کہ شاہی محل بھی بادشاہ کی ذاتی ملکیت نہیں ہے، بلکہ حکومت سویڈن اس کے مالکانہ حقوق رکھتی ہے۔ تاہم بادشاہ سے اس محل کا کوئی کرایہ وصول نہیں کیا جاتا۔ محل اور اس میں موجود شاہی نوادرات کی زیارت کے لیے ہر سال تقریباً سات لاکھ افراد آتے ہیں جن سے محل کو اٹھائیس ملین کرونا کی آمدنی ہوتی ہے۔

شاہ سویڈن کی ذاتی جائیداد ایک سو اسی ملین کرونا کے لگ بھگ ہے۔ شاہ کے اقتصادی مشیر کے مطابق شاہ اپنی رقم ایسے کاروبار میں لگاتے ہیں، جہاں سے آمدنی اگرچہ کم ہو، لیکن رقم ڈوبنے کا کوئی خطرہ نہ ہو۔ ملکہ کی ذاتی جائیداد کا تخمینہ آٹھ لاکھ کرونا لگایا گیا ہے۔ البتہ انھیں یہ رعایت حاصل ہے کہ وہ جب چاہیں شاہی خزانے سے جڑاؤ ہار اور کنگن عاریتاً لے کر پہن لیں۔ عموماً وہ سرکاری شاہی تقریبات کے وقت اس سہولت سے فائدہ اُٹھاتی ہیں۔

سویڈن کے بادشاہ کو اپنے محل میں کسی قسم کی تبدیلی کی اجازت نہیں۔ چناں چہ خلیج کی جنگ کے دوران جب بادشاہ نے حکومت سویڈن سے درخواست کی کہ انھیں تازہ خبریں سننے کے لیے ایک ڈش انٹینا لگوانے کی اجازت دی جائے تو یہ درخواست نامنظور کر دی گئی، کیوں کہ اس سے محل کی خوب صورتی پر حرف آتا تھا۔

شین شرارت

طنز و مزاح کے اس سلسلے میں لطائف، مزاحیہ واقعات، مزاحیہ اشعار، دلچسپ کارٹون یا تصاویر بھی بھجوائی جاسکتی ہیں

سروے کرنے والے ایک شخص نے ایک سرکاری دفتر کے انچارج سے پوچھا: ''آپ کے دفتر میں کتنے آدمی کام کرتے ہیں؟''

انچارج نے سوچتے ہوئے کہا: ''سو میں سے تین یا چار۔''

روبینہ ناز، کراچی

ڈاکٹر: ''مبارک ہو! آپ کے کان کا آپریشن کامیاب ہوگیا، لائیے میری فیس۔''

مریض: ''آپ ہاتھ ہلا کر شاید کچھ کہہ رہے ہیں، بالکل نہیں سن پا رہا ہوں۔''

ایمان اشعر، دستگیر

ہوٹل میں بیٹھے ہوئے ایک گاہک کو بیٹھے بہت دیر ہوگئی۔ اس نے چلّا کر کہا: ''کوئی بیرا میرا آرڈر لے کر گیا تھا، وہ کہاں گیا؟''

ایک بیرا جلدی سے قریب آیا اور بولا: ''کیا وہ داڑھی والا بیرا تھا؟''

گاہک نے جل کر کہا: ''جب آرڈر لے کر گیا تھا تو داڑھی نہیں تھی، اب تک تو آچکی ہوگی۔''

زاہد علی خان، ملتان

بین سے تو یہی کچھ ہوسکتا ہے
بجلی لانا میرے بس کی بات نہیں

علی اپنے دوست سے: ''حماد! یہ دیکھو میں پاس ہوا تھا تو میرے بابا نے مجھے پچاس ہزار روپے کا آئی فون، گفٹ کیا ہے۔''

حماد: ''صرف پچاس ہزار کا آئی فون، یہ تو کچھ بھی نہیں۔''

علی: ''اچھا، لیکن تم تو شاید فیل ہوئے ہوناں۔''

حماد: ''ہاں، پھر بھی میرے پپّا نے مجھے ڈیڑھ لاکھ کا رکشہ گفٹ کیا ہے چلانے کے لیے۔''

سیدہ ماہم، کراچی

ایک سیلز مین ایک بوڑھے آدمی کو آگ بجھانے کا آلہ خریدنے پر آمادہ کر رہا تھا۔ اس نے کہا: ''جناب! یہ آلہ پچاس برس تک آپ کے لیے کارآمد ہوگا۔''

بوڑھے آدمی نے کہا: ''میاں! اتنی عمر تک کس کو یہاں رہنا ہے۔''

سیلز مین نے کہا: ''تو کیا ہوا، آپ جہاں بھی جائیں اسے ساتھ لے جائیں، یہ وہاں بھی کام آئے گا۔''

ماہین سہیل، بلدیہ ٹاؤن

گاہک نے حجام سے کہا: ''بال تراشنے سے پہلے میری ہدایات غور سے سن لو۔ دائیں طرف کے بال یوں کاٹو کہ کھوپڑی نظر آنے لگے، لیکن بائیں طرف کے بال چھوڑ دو تاکہ میں اپنا بایاں کان ڈھانپ سکوں۔ ماتھے سے چار انچ

اوپر دائیں طرف چاندی کے رپے کے برابر گنج بنا دینا جو میری ناک تک پہنچے ۔ سر کی پچھلی جانب بالوں کی سیڑھیاں بنا دینا۔''

حجام: ''معاف کیجئے گا جناب ! میں اس قسم کے بال نہیں کاٹ سکتا۔''

گاہک: ''کیسے نہیں کاٹ سکتے ! پچھلی بار تو تم نے بالکل اسی طرح کاٹے تھے۔''

حسام عامر، نارتھ کراچی

مچھلی کے شوقین شکاری نے اتوار کی صبح دریا میں ڈور ڈالتے ہوئے اپنے ساتھی سے کہا: ''میں کوئی کام ٹاس کیے بغیر نہیں کرتا، اس لیے کبھی ناکام نہیں ہوتا۔ آج صبح بھی ٹاس کر کے میں نے یہی فیصلہ کیا تھا کہ مجھے شکار پر جانا چاہیے یا عبادت کے لیے۔''

''پھر کیا ہوا؟'' دوست نے چوچھا۔

''بڑا سخت مرحلہ تھا مجھے چھے مرتبہ سکہ اُچھالنا پڑا تب کہیں جا کر شکار کے حق میں فیصلہ ہوا۔''

علینہ سلیم، رحیم یار خان

ایک کمپاؤنڈر نے ڈاکٹر سے کہا: ''ڈاکٹر صاحب ! میری بیوی بیمار ہے، اس کی تیمارداری کے لیے ایک ہفتے کی چھٹی دے دیں۔''

ڈاکٹر نے جواب دیا: ''تم بڑے جھوٹے ہو تمھاری بیوی کا ابھی فون آیا ہے کہ تمھاری درخواست منظور نہ کی جائے وہ بالکل ٹھیک ہے۔''

کمپاؤنڈر نے کہا: ''پھر تو ہمارے اسپتال میں دو جھوٹے ہیں ڈاکٹر صاحب ! ابھی تو میری شادی بھی نہیں ہوئی۔''

مسرت خان، کوئٹہ

ملازم اپنے افسر کے کمرے میں گیا اور بڑی مسکین صورت بنا کر بولا: ''کل میری بیوی یوم صفائی منا رہی ہے۔ بہت کام ہے۔ اس نے میری مدد طلب کی ہے۔ کیا مجھے چھٹی مل سکتی ہے؟''

افسر اسے گھور کر سرد لہجے میں بولا: ''چھٹی نہیں مل سکتی۔ اسٹاف کی ویسے ہی کمی ہے۔''

''شکریہ جناب!'' ملازم نے مسکراتے ہوئے کہا: ''مجھے معلوم تھا کہ آپ ہی مجھے اس مصیبت سے نجات دلا سکتے ہیں۔ ذرا یہ بات میری بیوی کو فون پر بتا دیجئے۔''

مہ جبیں، اسلام آباد

ایک کنجوس کا سو روپے کا نوٹ کہیں کھو گیا۔ وہ بہت پریشان ہوا۔ اس نے کوٹ کی چھوٹی جیب کے سوا باقی سب جیبوں کو بار بار اُلٹ کر دیکھا، مگر چھوٹی جیب کو ہاتھ نہ لگایا۔

اس کی بیوی نے کہا: ''تم اس چھوٹی جیب کو ہاتھ کیوں نہیں لگاتے، اس میں دیکھو شاید اسی میں ہو۔''

وہ بولا: ''میں ڈرتا ہوں کہ اگر اس جیب میں بھی نہ ملا تو کہیں میرا ہارٹ فیل نہ ہو جائے۔''

حیدر بخش، لاہور

اسلامیات کے استاد نے بچوں کو بتایا: ''کھانا ہمیشہ دائیں ہاتھ سے کھانا چاہیے۔ بائیں ہاتھ سے کھانا کھانے سے شیطان شامل ہو جاتا ہے۔''

سائنس کے استاد نے بتایا: ''چینی زیادہ کھانے سے شوگر کا مرض ہو جاتا ہے،، ایک بچہ یہ سب

باتیں غور سے سن رہا تھا۔ جب گھر آیا تو معلوم ہوا کہ اس کی ماں نے میٹھے چاول پکائے ہیں۔ اس نے ماں سے کھانا مانگا اور کھانے بیٹھ گیا۔ بائیں ہاتھ سے کھاتے دیکھ کر ماں نے کہا:
سیدھے ہاتھ سے کھاؤ۔ لڑکے نے جواب دیا:
سیدھے ہاتھ سے بھی کھاؤں گا آپ میٹھے چاول کی دس بارہ پلیٹیں اور لے آئیں میں آج شیطان کو شوگر کرا کے ہی دم لوں گا۔''

لیاقت منگی، لارکانہ

مشہور مزاح نگار مارک ٹوئین نے ایک استقبالیے میں تقریر کرتے ہوئے بتایا:
''میرے بچپن کا زمانہ مفلسی کا زمانہ تھا۔ ہم لوگ اس قدر غریب تھے کہ اپنے گھر کی حفاظت کے لیے ایک کتا بھی نہیں رکھ سکتے تھے۔ چناں چہ رات کو جب کوئی آہٹ سنائی دیتی تو ہمیں خود ہی بھونکنا پڑتا تھا۔

رامین فاطمہ، پشاور

ایک عورت کے پڑوس میں کسی کا انتقال ہوگیا وہ وہاں گئی اور خوب روئی۔ جب وہ وہاں سے واپس آئی تو گھر میں سب بچے رو رہے تھے۔ عورت بولی: ''چپ ہوجاؤ کم بختو!''
ایک بچہ غصے میں بولا: ''اماں! خود تو دوسروں کے گھر جا کر رو لیتی ہو اور ہمیں اپنے گھر میں بھی نہیں رونے دیتیں۔''

عدیل احمد، لاہور

بچوں کی کلاس میں ایک مس نے پوچھا:
''پاکستان کی کل آبادی کتنی ہے؟''
ایک چھوٹے بچے نے اپنا ہاتھ اوپر اُٹھایا۔ میں نے اسے جواب دینے کے لیے کہا تو بچے نے کہا: ''بیس کروڑ اور ایک۔''
مس نے کہا: ''بیس کروڑ تو ٹھیک ہے، مگر ایک کا کیا مطلب ہے؟''
بچے نے جواب دیا: ''مس! میرا ایک چھوٹا بھائی آج ہی پیدا ہوا ہے۔''

اویس حسن، کوئٹہ

ایک بچہ دوسرے بچے سے (خوش ہوکر):
''میں نے سنا ہے کہ تم دوسرے بچوں سے یہ کہتے ہو کہ میں بہت ذہین اور عقل مند ہوں۔''
دوسرا بچہ: ''کیا کہوں دوست! یہ کمبخت جھوٹ بولنے کی عادت ختم ہو کے ہی نہیں دیتی۔''

سیدہ عریشہ، کراچی

Press ad

Page 38

پانچواں احمق

انتخاب: عاجز میرپوری

ایک بادشاہ نے اپنے سب سے قابل وزیر سے کہا کہ اس کی مملکت میں سے پانچ احمق ترین لوگوں کو ایک مہینے میں تلاش کر کے اس کے حضور پیش کیا جائے۔

ایک مہینے کی جدوجہد کے بعد وزیر نے صرف دو احمقوں کو پیش کیا۔

بادشاہ نے ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا: ''میں نے پانچ احمقوں کو پیش کرنے کے لیے کہا تھا۔''

وزیر نے کہا: ''حضور! مجھے ایک ایک کر کے احمقوں کو پیش کرنے کی اجازت دی جائے۔''

وزیر نے پہلا احمق پیش کرتے ہوئے کہا: ''یہ بڑا احمق اس لیے ہے کہ بیل گاڑی میں سوار ہونے کے باوجود اس نے سامان اپنے سر اُٹھایا ہوا تھا۔''

دوسرے احمق کو پیش کرتے ہوئے کہا: ''اس شخص کے گھر کی چھت پر بیج پڑے تھے۔ ان بیجوں کی وجہ سے چھت پر گھاس اُگ آئی۔ یہ شخص اپنے بیل کو لکڑی کی سیڑھی سے چھت پر لے جانے کی کوشش کر رہا تھا، تاکہ بیل چھت پر چڑھ کر گھاس چَر لے۔''

وزیر نے کہا: ''عالی جاہ! بطور وزیر مجھے اہم امور سلطنت چلانے تھے، مگر میں نے ایک مہینا احمقوں کی تلاش میں ضائع کیا اور صرف دو احمق تلاش کیے، اس لیے تیسرا احمق تو میں خود ہوا۔''

وزیر نے ذرا سا توقف کیا تو بادشاہ چلّایا: ''چوتھا احمق کون ہے.....؟

وزیر نے عرض کیا: ''عالم پناہ! جان کی امان پاؤں تو عرض کروں۔''

بادشاہ نے کہا: ''کہو، تمھیں کچھ نہیں کہا جائے گا۔''

وزیر نے کہا: ''عالی مرتبت! آپ بادشاہ وقت ہیں اور تمام رعایا اور سلطنت کے امور چلانے کے ذمے دار ہیں، مگر قابل ترین اور اہل افراد کو تلاش کرنے کے بجائے آپ نے احمق ترین لوگوں کو تلاش کرنے میں نہ صرف اپنا وقت برباد کیا، بلکہ ایک اہم وزیر کا وقت بھی برباد کیا، لہٰذا چوتھے احمق آپ ہیں۔''

بادشاہ نے تلملاتے ہوئے سوال کیا: ''اچھا اب بتا بھی دو پانچواں احمق کون ہے؟''

وزیر نے عرض کیا: ''جہاں پناہ! پانچواں احمق یہ شخص ہے جو فیس بک سے چمٹا ہوا ہے، اپنے دفتری اور کاروباری فرائض اور خاندان کے بہت سے کاموں سے لاپرواہی برت رہا ہے۔ اسے اپنا قیمتی وقت ضائع ہونے کا احساس تک نہیں اور حد تو یہ ہے کہ ابھی تک ڈھیٹ بن کر یہ اسٹیٹس پڑھتا چلا جا رہا ہے۔

بادشاہ سلامت اچانک اُٹھ کھڑے ہوئے۔ غصے کی حالت میں بادشاہ سلامت نے تقریباً چیختے ہوئے کہا: ''وائی فائی آف۔''

اور پورے دربار پر سناٹا چھا گیا۔

آسٹریلیا میں قیامت

چوبیس انسان

پچاس کروڑ سے زیادہ جانور

آٹھ ہزار کوالاز

ایک کروڑ اسی لاکھ ایکڑ پر آباد جنگلات

دو سو سے زیادہ گھر

سب جل کر خاکستر

اے اللہ رحم فرما

عافیت کی دعاؤں کا سلسلہ جاری رکھیے

Press ad

Page 42

جو چمن سجا کے چلے گئے

شہید پاکستان حکیم محمد سعید کے ۱۰۰ ویں یوم ولادت کے موقع پر مدینۃ الحکمۃ میں منعقد ہونے والا ایک یادگار پروگرام

شہیدِ پاکستان حکیم محمد سعید کے ۱۰۰ ویں یومِ ولادت پر تقریبِ تقسیمِ اسناد

۱۰ جنوری ۲۰۲۰ - موہٹہ پیلس، کلفٹن کراچی

ہمدرد پبلک اسکول مدینۃ الحکمۃ میں فوڈ فیسٹیول کا ایک یادگار دن

مہمان خصوصی ... تہمینہ امین

آگے بڑھتے جائیں ساتھی

قائدِ نونہال شہید حکیم محمد سعید کے یومِ ولادت پہ مدیرِ نونہال کا منظوم خراجِ تحسین

جلدی جلدی قدم بڑھائیں، ہم رُکنے نہ پائیں
آگے بڑھتے جائیں ساتھی، آگے بڑھتے جائیں

آج کتابوں میں گزریں گے جن کے دن اور راتیں
مستقبل میں گھر گھر ہوں گی اُن بچوں کی باتیں

یہ باتیں ہم خود بھی سمجھیں اوروں کو سمجھائیں
آگے بڑھتے جائیں ساتھی، آگے بڑھتے جائیں

دیکھو دیکھو دور اُفق پہ اُبھرا ایک ستارا
سبز ہلالی پرچم اپنا کتنا پیارا پیارا

اس پرچم کو اونچا رکھیں، اس پہ واری جائیں
آگے بڑھتے جائیں ساتھی، آگے بڑھتے جائیں

جس کے دم سے کلیاں مہکیں وہ کہلائے مالی
جس کی خوشبو ہر سُو پھیلے وہ ہے کتنا عالی

ایسے عالی قائد کا ہم کیوں ناں یوم منائیں
آگے بڑھتے جائیں ساتھی، آگے بڑھتے جائیں

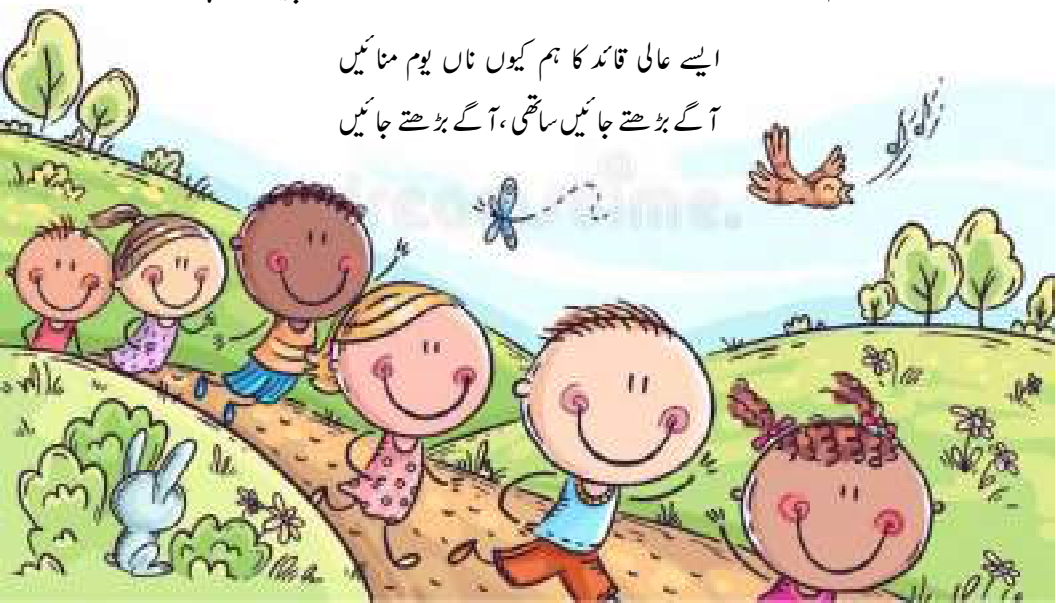

سفرنامۂ امریکا
سلیم مغل

ایک خوب صورت دن

اپنی بیٹی کے نام

رمیصاء کی گریجویشن کی تقریب آن پہنچی۔کل اُسے ڈگری ملے گی اوراس کے ساتھ ہی وہ پاکستان کی سب سے پہلی نہیں تواُن ابتدائی طالب علموں میں ضرور شامل ہوجائے گی جنھیں Design Strategy میں ایم بی اے کی ڈگری عطا ہوئی۔سان فرانسسکو کا کیلی فورنیا کالج آف آرٹس، گزشتہ ایک سودس سال سے دنیا کا بہترین آرٹس کالج سمجھا جاتا ہے۔یہاں کے فارغ التحصیل دنیا بھر کے بہترین پروفیشنلز کی حیثیت سے معروف عالمی اداروں میں اپنی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔

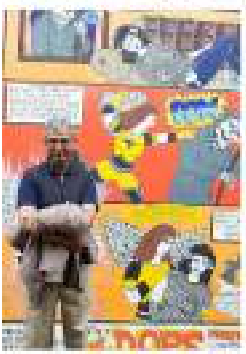

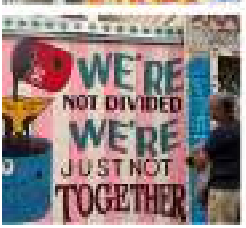
WE'RE
NOT DIVIDED
WE'RE
JUST NOT
TOGETHER

How
Might
We

''تقریبِ اسناد'' تو کل صبح منعقد ہوگی ،مگر ہمیں فوراً ہی منی سوٹا اسٹریٹ پہنچنا ہے جہاں ڈسپلے پہ لگے ہوئے طالب علموں کے تخلیقی کاموں (پروجیکٹس) کو دیکھنا ہے، دیر ہوچکی تھی سو ہم بھاگم بھاگ پروجیکٹ گیلری پہنچے جہاں دنیا بھر سے آئے ہوئے والدین اپنے بچوں کے ساتھ ان کے پروجیکٹس دیکھنے میں محو تھے۔ان میں امریکیوں کی تعداد زیادہ تھی۔

میرے لیے بہ حیثیت والد یہ لمحے کتنے خوشگوار ہوں گے جب یہاں آنے والوں کی بڑی تعداد ٹھہر ٹھہر کر رمیصاء کے پروجیکٹ کو دیکھتی ،اسے شاباش دیتی اور مجھے مبارک باد دیتی۔جانے کتنے لوگوں نے مجھے Lucky Parent کہااور ہمارے ساتھ تصویریں بنوائیں اور رمیصاء کا دل بڑھایا۔جی خوش ہوا۔دیگر بچوں کا کام بھی دیکھنے اور سمجھنے سے تعلق رکھتا تھا۔نئے زمانوں کے تقاضوں سے ہم آہنگ، نئے عہد کے نوجوانوں کے تحقیقی اور علمی کاموں کو دیکھ دیکھ کر اپنے ''اَن فِٹ'' ہونے کا احساس بڑھتا چلا جاتا۔مجھے کمنٹس بک پہ کچھ لکھنے کے لیے کہا گیا تو میں نے بے ساختہ یہی لکھا:

"I am Flying in the sky.... dreaming in the day and beliving in miracles. My daughter born in a small village of Pakistan, with no opportunity in hand, Today she has climbed a mountain of success. She is hard working,Creative and well focused. I feel myself so lucky with all my other children. Rumaisa is a solace of my eyes. Love you Rumaisa, Thank you faculty to educate my daughter. Thank you Rumaisa to make me proud."

یہ سب لکھتے ہوئے میری آنکھ سے آنسو ٹپکا اور میری اپنی تحریر میں جذب ہوگیا۔سوچتا ہوں محبت کے آنسو کے ساتھ ایسی تحریر تو کسی اور نے نہیں لکھی ہوگی۔واہ۔ایک آنسو نے خود میرے لکھے ہوئے کو کتنا قیمتی بنا دیا..... اس سفرنامے میں اپنے تاثرات تحریر کرنے کی وجہ بھی یہی ہے کہ

ہمارے نونہال یہ بات سمجھ سکیں کہ جب بچے علمی معرکے سر کرتے ہیں اور کامیابیوں کے زینے چڑھتے ہیں تو والدین کی خوشی کا عالم کیا ہوتا ہے۔

لیجیے اگلا دن بھی آن پہنچا۔ سان فرانسسکو کے نورسی تھیٹر میں آج تقریبِ تقسیم اسناد منعقد ہو رہی ہے۔ تقریبِ تقسیم اسناد کا سن کر ہمارے بچوں کا منھ کھلا رہ جاتا ہے۔ یہ کیا ہوتا ہے؟

پھر جب ہم انھیں انگریزی میں بتاتے ہیں Graduation Ceremoney تب ان کی رکی ہوئی سانسیں بحال ہوتی ہیں۔ اوہ اچھا.....!! اپنی زبان سے ان کا رشتہ کمزور ہونے کے قصوروار خود ہم ہیں۔ زبان سے اس تعلق کو کمزور نہیں پڑنا چاہیے، ایسا ہو گیا تو اس میں بڑے خسارے ہیں۔ یہ بات سمجھنے کی ضرورت ہے کہ زبان صرف ابلاغ کا ذریعہ نہیں، بلکہ اس تجوری میں ہمارے علوم، ہماری قدریں اور جانے کیا کیا موجود ہے۔

نورسی تھیٹر پہنچے، رجسٹریشن کروائی اور ہال میں پہنچ کر اپنی نشست پر براجمان ہو گئے۔ رمیصاء کی ہندوستانی دوست شرایو میرے ساتھ تھی۔ رمیصاء ڈگری کے حصول کے لیے آگے اسٹیج کی جانب جا چکی تھی۔ ٹھیک وقت پہ پروگرام کا آغاز ہوا۔ ہر اعتبار سے متاثر کن تقریب ہر پہلو سے نہایت خوب صورت۔ رمیصاء کا نام ڈگری کے لیے پکارا گیا تو پورے حال میں ایک نعرہ گونجا، جانے کیا؟ میں بھی نہیں سمجھا۔ شرایو سے پوچھا تو کہنے لگی: ''آپ کو اندازہ نہیں ہوا کہ رمیصاء یہاں کس قدر مقبول ہے۔ یہ نعرہ اس کے لیے Compliment تھا۔ پھر کہنے لگی رمیصاء ہمارے کالج میں چلتا پھرتا پاکستان ہے۔ بلکہ پاکستان کا اچھا امیج، پاکستان کے حوالے سے اتنا خوب صورت تبصرہ اور وہ بھی ایک بھارتی لڑکی کی زبانی سن کر بہت اچھا لگا۔

تقریب اختتام کو پہنچی۔ سب لوگ ایک بار پھر کھلے آسمان تلے جمع ہوئے، مگر اس بار نظم و ضبط کے بغیر۔ دنیا بھر سے آئے ہوئے طلبا اور ان کے اہلِ خانہ جس طرح ایک دوسرے سے گلے مل رہے تھے، مبارک باد دے رہے تھے، تصویریں اور سیلفیاں بنا رہے تھے، یقیناً یہ منظر دیکھنے کے قابل تھا جس میں ہر شخص کی آنکھیں چمک رہی تھیں اور انگ انگ سے خوشی کے فوارے پھوٹ رہے تھے۔

کہنے کو یہ ایک تقریب تھی جس میں اسناد تقسیم کی گئیں، لیکن سچ یہ ہے کہ یہ تخلیقی صلاحیتوں سے مالا مال نوجوانوں کا غیر معمولی اجتماع تھا۔ یہ سب وہ طلبا و طالبات تھے جنھیں کچھ ''وکھرا'' سوچنے کی تربیت دی گئی تھی۔ کچھ مختلف، کچھ نرالا، کچھ انوکھا۔ ان کا دعویٰ ہے، نیا عہد ان کے ہاتھوں تعمیر ہوگا۔

اس موقع پر دنیا بھر سے آئے ہوئے رنگ برنگے نوجوانوں اور ان کے اہلِ خانہ سے ملاقات ہوئی۔ شاید ہی کوئی براعظم ہو جس کے لوگ اس تقریب میں شامل نہ ہوئے ہوں۔

رمیصاء اور شرایو کے ساتھ چلتے پھرتے کھانا کھایا اور پھر ہم کسی اور سمت چل دیے۔

امریکی سرزمین پر Creativity کے مختلف مظاہر جا بجا نظر آتے ہیں۔ Clarion Alley بھی سان فرانسسکو کا ایک ایسا ہی ایک علاقہ ہے۔ جہاں احتجاج اور آگہی کے نعروں اور تحریروں پر مبنی دیوار قد پینٹنگز دیکھنے والوں کی توجہ اپنی جانب مبذول کرواتی ہیں۔ نُدرتِ خیال لیے ہوئے مہذب احتجاج کا یہ انداز دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔

1992ء میں چھے مقامی رضا کاروں پر مشتمل (ایکٹیوسٹس) متحرک مصوروں کی ٹیم نے ایک تنظیم کی بنیاد رکھی جس کا نام Clarion Alley Moral Project ہے۔ اس نام کا مخفف CAMP ہے اور کیمپ کا بنیادی مقصد کمزوروں کی مدد، آگہی کا فروغ، منفی رویوں کی حوصلہ شکنی، جمالیاتی قدروں کا فروغ اور معاشرتی غیر متوازن روّیوں کی نشاندہی ہے۔

بے آسرا خواتین کی سکونت کے لیے یہاں موجود ایک عمارت بھی دل کش پینٹنگز سے مزّین ہے اور دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ مجھے ہی نہیں دیگر ہزاروں لوگوں کو بھی اس علاقے میں جانا، ان تخلیقی کاموں کو دیکھنا اور دیر تک یہاں رہنا اچھا لگتا ہے۔ آپ بھی سان فرانسسکو جائیں تو یہاں جانا نہ بھولیں۔

Clarion Alley کے علاقے میں کھڑے ہوئے رمیصاء نے مجھ سے پوچھا آپ کو یہاں پاکستان سے کچھ مماثلت نظر آئی، پھر خود ہی کہنے لگی۔ اونچی دیواریں، دیواروں اور کھڑکیوں پہ گرل۔ امریکا میں ایسا کم کم ہی دیکھنے میں آتا ہے۔ اس کی وجہ رمیصاء نے بتائی کہ یہاں بڑی تعداد میں وہ لوگ رہتے ہیں جو گھر سے بے گھر کر دیے گئے۔ نشے کے عادی لوگ بھی یہاں زیادہ ہیں۔ یہ لوگ چوری

چکاری سے باز نہیں آتے۔اسی لیے مقامی لوگوں کو مجبوراً یہ حفاظتی انتظامات کرنے پڑے۔

سان فرانسسکو میں بچوں کی طرح اسکوٹی چلانے کے مزے بھی لیے۔آپ کو سن کر حیرت ہوگی کہ دیگر امریکی ریاستوں کے مقابلے میں سان فرانسسکو وہ واحد شہر ہے جہاں اسکوٹی بہت عام ہے۔ اسکوٹی (Scooty) سان فرانسسکو کے نوجوانوں میں تیزی سے مقبول ہوتی ہوئی سواری ہے۔بیٹری سے چلنے والی یہ سواری آپ کو جا بجا زمین پہ پڑی ہوئی مل جائیں گی۔آپ اپنے کارڈ سے ایک ڈالر لوڈ کریں اور اسکوٹی لے کر چل دیں۔ جہاں ضرورت ختم ہوجائے وہیں چھوڑ دیں۔ نہ رجسٹریشن کی ضرورت نہ لائسنس کی۔رفتار بھی مناسب اور سنبھالنے یا حفاظت کرنے کی جھنجھٹ سے بھی آزاد۔

کل تک اسے بچوں کا کھلونا سمجھا جاتا تھا،مگر آج یہ نوجوانوں کی پسندیدہ سواری بن چکی ہے۔توقع ہے کہ بہت جلد یہ سواری امریکا سمیت دنیا بھر میں مقبول ہوجائے گی۔یہی کمال ہے سان فرانسسکو کا۔آئے دنوں اختراعات،ایجادات،تخلیقات،مگر زیادہ تر آئی ٹی کے میدان میں۔

سفر جاری ہے.....ساتھ رہیے گا۔

بلاعنوان انعامی کہانی

راؤ جی

ہندوستان پر انگریزی حکومت کی عمل داری کے دوران ایک نیم خود مختار ریاست کے شہر میں دو ڈھولکیے رہتے تھے، گھسیٹا خان اور کھبڑ خان۔ دونوں شادی بیاہ، عقیقہ اور کسی نومولود کی ولادت پر ڈھول بجا کر اپنی روزی کماتے اور آرام سے زندگی گزار رہے تھے۔ یہ دونوں ماہر ڈھول بجانے والے تھے، اپنے ڈھول سے ۲۴ سُر نکال سکتے تھے یعنی چوبیس طریقے سے ایسے دل کش انداز میں ڈھول بجاتے تھے کہ سننے والے جھوم اُٹھتے تھے۔ ہلکی سے ہلکی اور تیز سے تیز آواز میں ان کے ڈھول کی تھاپ لوگوں کو بے خود کر دیتی تھی۔ ہم پیشہ ہونے کے سبب دونوں میں گہری دوست تھی۔

پھر یوں ہوا کہ ریاست کا نواب حج کرنے گیا اور وہاں سے آتے ہی اس نے اپنی ریاست میں موسیقی اور ڈھول تماشہ پر پابندی لگا دی۔ سارے موسیقار، گانے بجانے والے اور یہ دونوں دوست بھی بے کار ہو کر رہ گئے۔ کچھ دن تو ان لوگوں نے انتظار کیا کہ شاید نواب صاحب اپنا فیصلہ بدل دیں۔ جب زیادہ دن گزر گئے تو کچھ موسیقار روزگار کی تلاش میں فلم نگری چلے گئے، کچھ نے دوسرے پیشے اختیار کر لیے، کچھ محنت مزدوری کرنے لگے۔

گھسیٹا خان اور کھبڑ خان اس صورتِ حال سے بہت پریشان تھے، محنت مزدوری ان سے ہوتی نہیں تھی، کوئی اور کام وہ جانتے نہیں تھے، کریں تو کیا کریں؟ یہ سوچ انھیں کھائے جا رہی تھی۔ ان کے پاس جو تھوڑی بہت جمع پونجی تھی وہ دھیرے دھیرے ختم ہو رہی تھی، انھیں ڈر تھا کہ کہیں فاقوں تک نوبت نہ پہنچ جائے۔

ایک دن گھسیٹا خان، کھبڑ خان کے گھر پہنچا اور اس سے کہنے لگا: ''یار کھبڑ! میں ماسٹر برکت علی خان سے ملنے گیا، میں نے ان سے پوچھا کہ استاد محترم موسیقی پر پابندی کا یہ سلسلہ کب تک چلے گا۔''

انھوں نے جواب دیا: ''جب تک یہ نواب زندہ ہے۔ ہم نے انھیں بہت سمجھانے کی کوشش کی کہ سینکڑوں لوگ بے کار ہو جائیں گے، مگر ان کی سمجھ میں نہیں آیا، اس لیے میں تو یہ ریاست چھوڑ کر بمبئی جا رہا ہوں، میرا سامان بندھ گیا ہے، کل روانہ ہو جاؤں گا۔''

استاد بھی چلے جائیں گے تو ہمارا کیا ہوگا؟'' کھبڑ بولا۔

''ہم بھی کہیں چلتے ہیں۔'' گھسیٹا بولا۔

''مگر کہاں؟ استاد کے پاس تو پیسہ ہے وہ بمبئی جا کر اپنا ٹھکانہ اور روزگار تلاش کر لیں گے۔ ہمارے پاس تو اب جانے کے لیے ریل کا کرایہ بھی نہیں نکلے گا۔'' کھبڑ افسردہ لہجے میں بولا۔

''ہم پیدل چلتے ہیں، اس ریاست کی حد سے نکل کر کسی شہر یا دوسری ریاست میں پہنچ ہی جائیں

گے۔'' گھسیٹا بولا۔

''گھر والوں کا کیا ہوگا؟'' کھبڑ نے سوال کیا۔

''انھیں فی الحال یہیں چھوڑ جاتے ہیں اور ہمارے پاس جو کچھ بھی پیسے ہیں انھیں دے جاتے ہیں۔کسی دوسرے شہر میں پہنچ کر جونہی ہم وہاں سیٹ ہوں گے انھیں فوراً آ کر لے جائیں گے۔'' گھسیٹا نے پورا پلان اسے دو چار جملوں میں بتا دیا۔

''اس کا مطلب ہم خالی ہاتھ گھر سے نکلیں گے۔'' کھبڑ کے لہجے میں پریشانی تھی۔

''ارے دو چار آنے جیب میں رکھ لینا۔ باقی اللہ کا نام، اللہ ہماری مدد ضرور کرے گا ان شا اللہ۔'' گھسیٹا خان پُر اعتماد لہجے میں بولا۔

منصوبے کے مطابق دونوں دوست اپنی اپنی فیملی کو آنے والے اچھے دنوں کی آس دلا کر اور الوداع کہہ کر گھر سے نکل گئے۔شہر سے باہر آئے تو ایک وسیع و عریض جنگل ان کے سامنے کھڑا تھا۔ مسئلہ یہ تھا کہ اگر وہ جنگل سے بچ کر اس کے اطراف سے ہو کر جائیں تو انھیں میلوں کی مسافت طے کرنی پڑے گی جو انھیں دشوار ہی نہیں محال دکھائی دے رہی تھی۔ اس وجہ سے بھی کہ ان کی گردنوں میں ڈھول کا بوجھ تھا، ڈھول نہ صرف ان کی شناخت، ہتھیار بلکہ روزی کا ذریعہ بھی تھا، اسے وہ اپنے سے جُدا نہیں کر سکتے تھے۔

''یار گھسیٹا! جنگل میں خوف ناک جانور بھی مل سکتے ہیں۔'' کھبڑ خان نے اندیشہ ظاہر کیا۔

''کھبڑ خان! ہر جانور ڈھول کی آواز سے ڈرتا ہے، انگریز گورنر جب کسی جنگل میں شکار کھیلنے جاتا ہے تو میرے جیسے بہت سے ڈھولچی اس کے ساتھ ہوتے ہیں جو ڈھول کی زوردار تھاپ سے نہ صرف جنگلی جانوروں کو بھگاتے ہیں بلکہ شیر کو بھی گھیر کر صاحب بہادر کی بندوق کے سامنے لاتے ہیں اور وہ گھبرائے ہوئے شیر پر گولی چلا کر ''تیس مار خان'' بن جاتا ہے۔'' گھسیٹا خان نے

کھبڑ خان کے اندیشے کو دور کرتے ہوئے کہا جو جنگل میں سے گزر کر جانے کے حق میں نہ تھا۔
''میں نے تو کسی انگریز گورنر کو اس جنگل میں شکار کے لیے آتے ہوئے نہیں سنا'' کھبڑ خان نے سوال کیا۔
''وہ زیادہ تر ''بندر ابن'' جاتے ہیں۔ انگریز گورنروں کی بات مجھے میرے استاد نے بتائی تھی۔''
گھسیٹا خان نے جواب دیا۔
''پھر کیا فیصلہ ہے کہاں سے جانا ہے؟'' کھبڑ خان نے پوچھا۔
''جنگل سے چلیں گے یار! اللہ مالک ہے، ہمارا ہتھیار ڈھول ہمارے پاس ہے۔'' گھسیٹا خان بولا۔
چناں چہ دونوں دوست اللہ کا نام لے کر جنگل میں داخل ہو گئے۔ کچھ دیر وہ خاموشی سے چلتے رہے پھر گھسیٹا خان بولا: ''ہم شہر والوں کے لیے تو یہ پورا جنگل بس دور تک پھیلا ہوا درختوں کا ایک وسیع و عریض قطعہ ہے جہاں ہزاروں درخت سینہ تانے کھڑے ہیں، لیکن اگر تم کسی جنگلات کے ماہر سے پوچھو تو وہ کہے گا کہ یہ ایک نہیں بلکہ چار جنگل ہیں۔''
''وہ کیسے؟'' کھبڑ بولا۔
''وہ ایسے کہ جنگل کے اندر نظر نہ آنے والی دیواریں ہوتی ہیں جو جنگل کو چار حصوں میں تقسیم کرتی ہیں۔ ابھی تم دیکھو گے کہ چیڑ کے درختوں کا ایک بڑا جھنڈ تمھارے سامنے آئے گا جس کے فرش پر گہری سبز کاتی کا قالین بچھا ہوگا، اس کے آگے ڈھولوان پر صنوبروں کے پیڑ کھڑے ملیں گے جن کے اطراف میں لال رنگ کی بیریوں کی جھاڑیاں ہوں گی۔ ان کے نیچے بھی کاتی کا فرش ہوگا، لیکن اس کا رنگ ہلکا ہرا سبز ماش کی دال کی طرح ہوگا اور آگے بڑھو گے تو قدرے ریتیلی کائی کا رنگ سفید ماش کی دال کی طرح ہو جائے گا۔ ان پر صنوبر اور مختلف قسم کے جنگلی درخت اُگے ملیں گے۔ ان کے نیچے جھاڑ جھنکاڑ کا ایک جال پھیلا ہوتا ہے، گھاس ہوتی ہے جو تہہ بہ تہہ اُگی ہے، جنگل خود رو ہتا ہے، جنگل کی خود رو نمو تتلیوں اور چڑیوں کی وجہ سے ہوتی ہے جو درختوں کے بیجوں

کو پھیلاتی ہیں۔ درختوں کے ان جھنڈوں کے درمیان نظر نہ آنے والی دیواریں ہوتی ہیں جن کے درمیان سے تم گزرو گے۔'' گھسیٹا خان نے اسے بتایا۔

''تمھیں یہ سب کیسے معلوم ہے؟'' کھبڑ خان نے پوچھا۔

''میں بہت عرصے ایک فارسٹ افسر کا اردلی رہا ہوں اور اس کے ساتھ کئی برسوں تک جنگلوں میں گھومتا پھرتا رہا ہوں۔ اس نے مجھے یہ سب باتیں بتائیں۔'' گھسیٹا خان بولا۔

''اچھا جی، تم تو چھپے رستم نکلے، یہ بات تم نے پہلے کبھی نہیں بتائی۔ تمھارے افسر نے اور کیا کیا تمھیں بتایا ہے؟'' کھبڑ خان پُر اشتیاق لہجے میں بولا۔

اس نے بتایا: ''اگر گھروں کی طرح جنگلوں میں بھی نام کی تختیاں لگائی جاتیں تو کسی درخت کی تختی پر ہُد ہُد، کسی پر توتا اور کسی پر جنگلی مرغی کا نام لکھا ہوتا۔ جنگل کا گودام جنگل کی زمین کے نیچے ہوتا ہے جہاں درختوں کی جڑیں ہوتی ہیں اور جنگلی چوہوں اور سانپوں کے بِل اور سرنگیں ہوتی ہیں۔'' گھسیٹا خان بولا۔

''بہت خوب، تمھاری باتوں میں بڑا مزہ آ رہا ہے، راستہ بھی خوب کٹ رہا ہے اور بتاؤ تمھارے صاحب نے اور کیا کیا بتایا؟'' کھبڑ نے گھسیٹا کی باتوں میں مزید دل چسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

''صاحب نے بتایا تھا کہ انسان تو اپنا ٹھکانا، اپنا گھر بدل لیتا ہے، پہلی منزل کے فلیٹ سے چھٹی منزل کے فلیٹ میں یا چوتھی منزل سے نیچے کی منزل پر آ کر رہنے لگتا ہے، لیکن جنگل میں ایسا نہیں ہوسکتا۔ جنگلی جانور اپنا گھر نہیں بدل سکتے۔ عقاب اپنا گھر سب سے بلندی پر بناتا ہے اور نیچے نہیں رہ سکتا۔ گلہری درخت کے اوپر اپنا گھونسلا بناتی ہے، ہُد ہُد درمیان میں کھوکھلے تنے میں اپنا گھونسلا بناتا ہے، جنگلی مرغی جڑ میں رہتی ہے اور اِدھر اُدھر سے اپنی غذا تلاش کرتی ہے، وہ اُڑ نہیں سکتی، جنگلی چوہا درخت کی جڑ کے نیچے زمین میں اپنا گھر بناتا ہے۔ وہ کبھی گلہری کے گھر میں نہیں رہ سکتا اور نہ کبھی گلہری اس کے گھر میں رہ سکتی ہے۔'' گھسیٹا خان نے تفصیل سے بتایا اور پھر

کھبڑ خان سے سوال کیا: ''تمھیں معلوم ہے ہُد ہُد درخت پر کیوں ٹھونگیں مارتا ہے؟''

''مجھے کیا پتا، تم بتاؤ۔'' کھبڑ خان چہک کر بولا۔

''وہ اس لیے ٹھونگیں مارتا ہے کہ وہ درخت کی چھال اُتارتا ہے اور جب چھال کا ایک ٹکڑا اُتار لیتا ہے تو اس کے نیچے اسے اس کی محبوب غذا مل جاتی ہے، تم جانتے ہو وہ کیا ہوتی ہے؟'' گھسیٹا نے کھبڑ سے سوال کیا۔

''میں کیا بتاؤں، میں تو ڈھول بجانے کے سوا کچھ نہیں جانتا، تمھارے صاحب نے تمھیں باتیں بتا دیں تو تم ہارمونیم کی طرح بول رہے ہو۔'' کھبڑ خان کھسیا کو بولا۔

''ارے میرے دوست! تم کبھی چیڑ کے درخت کی چھال چھیل کر دیکھو تو تم دیکھو گے کہ اس کے تنے پر ٹیڑھی میڑھی لکیریں بنی ہوتی ہیں۔ یہ چھال کا کیڑا بناتا ہے، پر لکیر میں ایک چھوٹا دندانہ ہوتا ہے اور ہر دندانے میں کیڑے کا انڈا ہوتا ہے، جو بعد میں کیڑا بن جاتا ہے۔ یہی انڈے ہُد ہُد کی مرغوب غذا ہے جو وہ چیڑ کے پیڑ کی چھال چھیل کر حاصل کرتا ہے۔ اس لیے ہُد ہُد چیڑ کے اور صنوبر کے درختوں کا جنگل چھوڑ کر اور کہیں نہیں جاتا۔ وہ دوسرے کیڑے اور ان کے انڈے بھی کھا جاتا ہے۔ صنوبر کے مخروطی پھلوں کے بیج نکال کر بھی کھا جاتا ہے۔ ہمیشہ درختوں کی کوہ میں رہتا ہے اگر کسی درخت میں کوہ نہ ہو تو اس کے تنے کو کھوکھلا کر کے اس میں اپنے اور اپنے خاندان کے لیے چھوٹی سی کوہ بنا لیتا ہے۔'' گھسیٹا خان نے اپنے دوست کی معلومات میں مزید اضافہ کیا۔

باتوں باتوں میں دونوں دوست کافی لمبا راستہ طے کر گئے۔ اب وہ جنگل کے ایک کھلے سے میدان میں پہنچ گئے جو زیادہ بڑا تو نہیں تھا بلکہ چھوٹا ہی تھا، لیکن ہموار تھا۔ وہاں وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ اس میں ایک اسٹیج بنا ہوا تھا جس پر سرخ دبیز قالین بچھا تھا۔ ایک بڑی چاندی سونے سے مرصع کرسی اس پر رکھی ہوئی تھی۔ اسٹیج کے دائیں اور بائیں جانب دو لمبی لمبی میزیں رکھی ہوئی تھیں

وہ بھی سرخ ریشمی چادروں سے سجی ہوئی تھیں۔ اسٹیج کے سامنے خوب صورت کرسیاں بڑی تعداد میں بڑے سلیقے سے رکھی تھیں۔ انھوں نے دیکھا کہ سامنے کے جنگل سے چار افراد بڑے بڑے گلوب نما سفید گولے اُٹھائے ہوئے باہر آئے اور اسٹیج کے چاروں کونوں پر رکھ کر چلے گئے۔ تھوڑی دیر بعد آٹھ دس لوگ آئے وہ بڑے بڑے خوان اُٹھائے ہوئے تھے جن میں کھانے پینے کی اشیا، سونے چاندی کی اشرفیاں، روپے اور سکے تھے جو وہ میزوں پر رکھ کر چلے گئے۔ انھیں دیکھتے ہی دونوں دوست ایک درخت کی آڑ میں چھپ گئے اور چھپ کر اس عجیب و غریب صورتِ حال کا جائزہ لینے لگے۔

''یار کھبڑ! مجھے تو یہ صاحبوں اور میموں کی تقریب لگتی ہے۔'' گھسیٹا خان نے سرگوشی کی۔

''یہ تم نے کیسے جانا؟'' کھبڑ خان نے سوال کیا۔

''تم نے دیکھا نہیں، سفید گولے اور خوان اُٹھا کر لانے والے کیسے گورے چٹے تھے۔'' گھسیٹا خان بولا۔

''لیکن انھوں نے لباس تو عجیب سا پہنا ہوا تھا۔ گورے لوگ ایسے کپڑے تو نہیں پہنتے۔'' کھبڑ خان بولا۔

''ارے یہ بادشاہ لوگ ہیں جو چاہے پہنیں۔'' گھسیٹا بولا۔

''یار گھسیٹا! شام ہونے والی ہے، یہاں سے نکل چلو۔ ایسا نہ ہو کہ ہم کسی مصیبت میں پھنس جائیں۔'' کھبڑ خان خوف زدہ لہجے میں بولا۔

''نہیں یار! ڈرو نہیں، یہ خوشی کی تقریب لگ رہی ہے، ہوسکتا ہے اس میں انگریز گورنر یا کوئی بڑا انگریز افسر آئے، اس کے سامنے ہم شان دار ڈھول بجائیں گے، اپنے پورے فن کا مظاہرہ کریں گے اور وہ خوش ہوکر ہمیں انعام واکرام دے دے گا، اس سے نواب صاحب کی بھی شکایت کریں گے۔'' گھسیٹا خان نے کھبڑ خان کو دلاسا دیا۔

دونوں دوست درخت کے پیچھے چھپے ماحول کا گہری دل چسپی سے جائزہ لے رہے تھے، انھیں کوئی

ہلچل دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ اتنے میں شام ڈھل گئی اور سورج غروب ہونے لگا۔ اچانک وہ چار گولے، جو اسٹیج کے چاروں کونوں پر رکھے ہوئے تھے ایک دم روشن ہوگئے اور ان کی روشنی سے پورا ماحول چکا چوند ہوگیا۔ اس روشن ماحول سے دونوں ڈر گئے، انھیں خوف لاحق ہوا کہ اس تیز روشنی میں انھیں دیکھ نہ لیا جائے۔ لہٰذا خود کو غیر محفوظ سمجھتے ہوئے انھوں نے فیصلہ کیا کہ درخت پر چڑھ جائیں اور خود کو پتوں میں چھپالیں، سفید گولوں کا اچانک جل اُٹھنا ان کے لیے بہت حیران کن تھا، جس نے انھیں سخت خوف زدہ کر دیا تھا۔ درخت بڑا تھا اس کے بڑے تنے پر ڈالیوں کے درمیان وہ آرام سے بیٹھ گئے اور انتظار کرنے لگے کہ دیکھیں پردۂ غیب سے اور کیا نظر آتا ہے؟

تھوڑی دیر بعد انھوں نے دیکھا کہ زرق برق لباس میں ملبوس مہمان آنے لگے اور وہاں رکھی ہوئی کرسیوں پر براجمان ہونے لگے۔ خوب صورت لباسوں میں ملبوس حسین مہمانوں اور ان کے لباسوں سے اُٹھنے والی خوشبو نے پورے ماحول کو معطر اور فضا کو رنگین بنا دیا، لیکن وہ عجیب سی زبان بول رہے تھے اور ان کے آنے پر جو موسیقی شروع ہوئی اس کی دُھن اور بول بھی غیر مانوس تھے۔

''ارے یہ تو جن اور پریاں ہیں، دیکھو ہر خاتون کے پَر لگے ہوئے ہیں اور کسی مرد کے چہرے پر داڑھی نہیں ہے۔'' گھسیٹا خان بولا۔

کھبڑ خان جو پہلے سے ہی آنکھیں اور منھ پھاڑے انھیں دیکھ رہا تھا، خوف زدہ لہجے میں بولا:

''گھسیٹا میں تم سے کہہ رہا تھا کہ جنگل کے باہر سے چلو، مگر تم نے میری بات نہ مانی۔ اب پتا نہیں ہمارا کیا حشر ہوگا؟''

''اللہ پر بھروسا رکھو، اللہ بڑا بادشاہ ہے۔'' گھسیٹا نے کھبڑ کی ڈھارس بندھائی۔

اتنے میں ایک شور سا اُٹھا اور تمام مہمانان اپنی اپنی نشستوں سے کھڑے ہوگئے، سفید گولے اور خوان (بڑے بڑے تھال) لانے والے بھی مودّب ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوگئے، وہ غالباً ملازم

تھے، کیوں کہ ایک سا نارنجی رنگ کا لباس پہنے ہوئے تھے۔ چند لمحوں بعد ایک عجیب منظر سامنے آیا۔ ایک کالا اور نکٹا ہیبت ناک بڑا سا دیو دو دیوؤں کے کندھوں پر سوار چلا آ رہا تھا، ناک تو گویا اس کے چہرے پر تھی ہی نہیں بالکل نکٹا تھا، بہت بڑا سر، چھوٹی چھوٹی آنکھیں، لمبے لمبے کانوں، بڑے بڑے ہونٹوں، گھنے گھنگھرالے بالوں اور وسیع جبڑے نے اسے انتہائی بدہیبت اور ہیبت ناک بنا دیا تھا۔ دیوؤں کے کاندھوں سے اُتر کر وہ اسٹیج پر چڑھا اور اس پر رکھی ہوئی کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس کے بیٹھتے ہی سب شرکائے تقریب بیٹھ گئے۔ صاف لگ رہا تھا کہ وہ کالا نکٹا دیو ان کا سردار یا بادشاہ تھا۔ چند لمحوں بعد حاضرین میں سے ایک شخص اُٹھا، جو یقیناً جن ہوگا، کیوں کہ اس کا چہرہ بھی داڑھی مونچھوں سے صاف تھا، اس نے غیر مانوس عجیب سی زبان میں کچھ گفتگو کی، ایسا لگ رہا تھا کہ وہ ناک سے بول رہا تھا، اس کی آواز گنگنی، باریک، مگر تیز تھی۔ اپنی گفتگو ختم کرنے کے بعد اس نے کالے نکٹے دیو کی طرف جھک کر کچھ اشارہ کیا جس پر وہ ہیبت ناک دیو اپنی کرسی سے اُٹھا اور اشرفیوں اور چاندی سونے کے سکوں کے خوانوں کے پاس گیا، ان پر اس نے اپنا موٹا اور بھدا ہاتھ رکھ کر گردن سے ایسا اشارہ دیا گویا کہ اس نے یہ تحفے قبول کر لیے۔ پھر وہ خوف ناک ہنسی ہنسا جس سے اس کے کریہہ المنظر دانت نمایاں ہو کر سامنے آئے تو وہ مزید دہشت ناک لگا۔

واپس کرسی پر بیٹھ کر اس نے شرکاء کا بھرپور جائزہ لیا، پھر بائیں جانب مڑ کر اس نے اس درخت کو دیکھا، جو بائیں ہاتھ پر بالکل اس کے سامنے تھا اور جس پر گھسیٹا اور کھبڑ چھپے ہوئے تھے، وہ بار بار اپنی نکٹی ناک سکیڑ رہا تھا جیسے کچھ سونگھ رہا ہو، پھر بولا: ''مجھے یہاں مانس بو آ رہی ہے، کوئی انسان یہاں ہے۔''

چاروں طرف گردن گھما کر اس نے اپنی بجّو کی سی آنکھیں اسی درخت پر گاڑ دیں جس پر گھسیٹا اور کھبڑ موجود تھے۔

''اس درخت سے مانس گندھ آ رہی ہے۔'' یہ کہہ کر وہ اپنی کرسی سے اُٹھا اور اسٹیج سے اُتر کر دانت

نکالتا ہوا درخت کے قریب آنے لگا، دونوں دوست لرز اُٹھے۔ کھبڑ خان بُری طرح سے کانپ رہا تھا، خوف سے اس کی گھگھی بندھ گئی تھی اور اسی خوف و دہشت سے لرز کر وہ ڈھول سمیت درخت سے نیچے گر گیا۔ جونہی وہ نیچے گرا اور نکٹے دیو نے اسے دیکھا، گھسیٹا خان نے آؤ دیکھا نہ تاؤ پیڑ پر بیٹھے بیٹھے ڈھول پیٹنا شروع کر دیا اور زور زور سے چلّانے لگا:

''پہلے نکٹے کو پکڑیے، پہلے نکٹے کو پکڑیے''

گھسیٹا کے ڈھول سے بھی یہی آواز آ رہی تھی:

''پہلے نکٹے کو پکڑیے، پہلے نکٹے کو پکڑیے''

ڈھول کی آواز سن کر نکٹا دیو اپنی جگہ رک گیا۔ پھر ڈھول کی آواز سے خوف زدہ ہو کر واپس اسٹیج کی طرف مڑ گیا۔ اس کے واپس مڑنے سے حوصلہ پا کر کھبڑ خان نے اپنے حواس درست کیے اور اس نے بھی زوردار ڈھول پیٹنا شروع کر دیا جس سے یہی آواز آ رہی تھی

''پہلے نکٹے کو پکڑیے، پہلے نکٹے کو پکڑیے''

اور نکٹا دیو، جو دو دیوؤں کے کاندھوں پر چڑھ کر آیا تھا، ڈھولوں کی آواز سے خوف زدہ ہو کر بھاگ چھوٹا۔ وہ سب سے آگے لمبے لمبے ڈِگ بھرتا ہوا بھاگ رہا تھا اور اس کے پیچھے اس کو لانے والے دیو اور جن و پریاں بھاگ رہی تھیں۔ تھوڑی دیر میں میدان صاف ہو گیا، کرسیاں خالی ہو گئیں۔ گھسیٹا خان درخت سے نیچے اُترا اور اس نے کھبڑ خان سے کہا جو خوف کے مارے اب تک ڈھول پیٹ رہا تھا۔

''اب ڈھول پیٹنا بند کرو، وہ سب بھاگ گئے۔''

پھر دونوں دوستوں نے میزوں سے میز پوش اُتارے اور ان میں سونے چاندی کی اشرفیاں اور سکے باندھے اور واپسی کا راستہ لے لیا۔

بلاعنوان کہانی کے انعامات

ہمدرد نونہال دسمبر ۲۰۱۹ء کے شمارے میں جناب احمد عدنان طارق کی بلاعنوان انعامی کہانی شائع ہوئی تھی۔ نونہالوں نے بہت اچھے اچھے عنوانات بھیجے۔ کمیٹی نے خوب غور کرنے کے بعد تین اچھے عنوانات کا انتخاب کیا ہے، جو تین نونہالوں نے مختلف جگہوں سے ارسال کیا ہے:

۱۔ وقت کا ہیر پھیر : عائشہ اشرف، کراچی

۲۔ حیرت کدہ : صارم ندیم، حیدرآباد

۳۔ اپنی جنت : محمد حسن عباسی، راولپنڈی

﴿ چند اور اچھے اچھے عنوانات یہ ہیں ﴾

مستقبل سے واپسی۔ صدیوں کے لمحے۔ صدیوں کا سفر۔

جادوئی مستقبل۔ وقت کا کھیل۔ جادوئی غار۔

ان نونہالوں نے بھی ہمیں دل چسپ عنوانات بھیجے

☆ کراچی: زوہیب خان، حسیان فیصل، محمد علی، محمد عدنان سیفل، مدثر را، آصف علی، محمد صادق صدیق، محمد عدیل، محمد ناصر علی، عبدالتواب سرحدی، سہیل خان احمد علی شاہ، شہباز بن محمد سرفراز، دلاور، فضل سلیمان خان، غلام محمد سرور، محمد زبیر احمد، عادل امیر، عبید سردار، سمیر علی، محمد عاقب مصطفیٰ، سید محمد احمد، علینا اختر، رباب فاطمہ، طیب خان، زینب ناز سلطان، رادبشیر، ایمن

شیخ، ماہم طارق، ہما ساجد خان، الینہ انصاری، مسفرہ ناز، محمد حسن دانش منصوری جی، محمد اُسامہ رفیق، شایان احمد، احمد حسن، مصامص شمشاد غوری، فاطمہ ناہید، ہدیٰ ملک، اریبہ نمیر، احتشام الدین، سیدہ ناہید نرگس، زمان معراج، آمنہ بختاور، عبدالرحمٰن عارف، محمد بلال الدین رومی، عزیز اسلم، خنسہٰ محمد عقیل شاہ، محمد عباس شیخ، محمد تجید احمد ☆ لاہور: حفصہ سجاد، مہ نور ذی شان یٰسین، رامین سجاد ☆ راولپنڈی: محمد جواد عباسی، محمد معاذ حفیظ، ملک شاز راحمد، ملک محمد احسن، زہرا نور بٹ ☆ اسلام آباد: اشتیاق سرور اعوان، فرحین انور ☆ پرانا نواب شاہ: ثانی زہرا، محمد عاصم ☆ سرگودھا: ردا فاطمہ، نجیحہ شہباز ☆ حیدرآباد: مرزا حیان بیگ، تحریمہ شاہد، عائشہ ایمن عبداللہ ☆ ٹیاری: راحل خان بہلم پٹھان، نیلوفر خان بہلم پٹھان ☆ احمد پور شرقیہ: مصباح آصف، علشبہ آصف ☆ میر پور خاص: جنید احمد تحسین، اسما خان ☆ نوشہرہ: عبدالمعز ☆ بہاول پور: عائشہ فاطمہ اقبال ☆ پرانا سکھر: محمد حسیب ☆ ڈیرہ اسماعیل خان: محمد احتشام سواگ ☆ ڈیرہ غازی خان: رفیق احمد ناز ☆ تلہ گنگ: محمد حسان عبداللہ ☆ ٹوبہ ٹیک سنگھ: سعدیہ کوثر مغل ☆ مظفر گڑھ: احمد خان لغاری ☆ ٹنڈو جام: امیر معاویہ ☆ پرانا نواب شاہ: نعمان رمضان ☆ ایبٹ آباد: ثانیہ اعجاز ☆ دینہ: محمد ذی شان سجاد ☆ صادق آباد: تماضر ساجد ☆ کالا گجراں: محمد سعید ☆ ملتان: محمد صالح تیمور ☆ ماموں کانجن: ولید محمود نور ☆ شیر شاہ کالونی: عکاشہ۔

دو اہم باتیں

☆ انعامی کوپن الگ الگ کاپی سائز کاغذ پر چپکایا کریں۔ تینوں کوپن ایک صفحے پر لگانے سے باقی دو ضائع ہو جاتے ہیں۔

☆ اکثر نونہال اپنا ڈاک کا پورا پتا نہیں لکھتے، اس لیے قرعہ اندازی میں شریک ہونے سے محروم رہتے ہیں۔ شہر، تحصیل اور صوبے کا نام بھی صاف صاف ضرور لکھیے۔

عظیم انسان

پروفیسر ڈاکٹر فضل حق فاروقی

عام دنوں کی طرح آج بھی کلینک میں مریضوں کا ہجوم تھا۔ ہر شخص اپنی باری کا ٹوکن لینے کی کوشش کر رہا تھا۔ کلینک نے ایک چھوٹے سے اسپتال کی شکل اختیار کر لی تھی، جس میں دس بارہ مریضوں کے لیے بستر بھی تھے۔ میں جب بھی بیمار ہوتا ہوں تو اسی اسپتال کے ڈاکٹر صاحب صاحب سے علاج کرواتا ہوں۔

ڈاکٹر صاحب کا معمول تھا کہ دوپہر دو بجے کلینک آتے اور رات دیر تک کلینک میں موجود مریضوں کا معائنہ کرتے۔ ہر شخص پرچی پر لکھے ہوئے نمبر کے مطابق ڈاکٹر صاحب سے حال کہہ کر دوا لکھواتے تھے۔

دو بجے دوپہر کو جب ڈاکٹر صاحب آئے تو خاموشی چھا گئی۔ ڈاکٹر صاحب کا معمول تھا کہ کلینک پر آتے ہی کلینک پر کام کرنے والے تمام لوگوں کے متعلق معلوم کرتے کہ سب آ گئے ہیں یا کوئی غیر حاضر ہے۔ آج ڈاکٹر صاحب کو کمپاؤنڈر لڑکے نے بتلایا کہ انکل رحمان کے علاوہ سب لوگ آ گئے ہیں۔ آج انکل رحمان کو کلینک میں آنے میں کچھ دیر ہو گئی تھی۔

ڈاکٹر صاحب نے اپنی کرسی پر بیٹھ کر ابھی کام شروع ہی کیا تھا کہ انکل رحمان اپنے چھوٹے بیٹے کے ساتھ مٹھائی کے دس بارہ ڈبے لے کر آئے۔ انکل رحمان نے ڈاکٹر صاحب کو سلام کیا اور کہا: ''ڈاکٹر صاحب! آپ یہ مٹھائی خود بھی کھائیں اور کلینک میں موجود تمام لوگوں میں تقسیم کروا دیں۔''

ڈاکٹر صاحب نے حیران ہو کر پوچھا: ''رحمان صاحب! کیا آج آپ کی کوئی لاٹری نکل آئی ہے جو یہ مٹھائی تقسیم کر رہے ہیں۔''

رحمان انکل نے کہا: ''ہاں، ڈاکٹر صاحب! آج اللہ نے میرے اوپر بہت مہربانی کی ہے۔ اللہ کے فضل و کرم سے میرا بڑا بیٹا ڈاکٹر بن گیا ہے اور اب وہ بھی آپ کی طرح مریضوں کا علاج کیا کرے گا۔''

ڈاکٹر صاحب بہت حیران ہوئے اور پوچھا: ''آپ نے کبھی اس بات کا ذکر نہیں کیا کہ آپ کا بیٹا میڈیکل کی تعلیم لے رہا ہے۔ آپ نے ضرور کوئی بڑی نیکی کی ہو گی۔''

رحمان انکل نے کہا: ''ڈاکٹر صاحب! آپ کے اس اسپتال میں روزانہ دو، تین سو مریض علاج کے لیے آتے ہیں۔ ان میں بہت سے انتہائی غریب بھی ہوتے ہیں۔ میں آپ سے کہتا تھا کہ

روزانہ کم ازکم دس مریضوں کا علاج مفت کیا جائے، مگر آپ نے میری درخواست پر توجہ نہیں کی۔ میں جب غریب اور نادار مریضوں کو دیکھتا تو مجھے بہت دکھ ہوتا میں نے اللہ کا نام لے کر نیکی کا ارادہ کیا اور روزانہ دو تین مریضوں کے ٹوکن اپنے پاس سے اور دوائی بھی دلواتا تھا۔ میں سمجھتا ہوں کہ میری اس چھوٹی سی نیکی کی برکت سے ہی اس دوران میرے بیٹے نے ایف ایس سی میں بہت اعلا نمبر حاصل کیے۔ میری خوشی کی انتہا نہ رہی، پھر میں نے مزید نیکی کا ارادہ کیا جتنی تنخواہ لیتا تھا، اس کا ایک تہائی حصہ ہر ماہ غریب مریضوں پر خرچ کرنے کا ارادہ کیا۔ میرے گھر والوں نے سادگی اختیار کی۔ آپ دوپہر میں کلینک کھولتے ہیں لہٰذا صبح کے وقت میں نے ایک اسکول میں نوکری کر لی، لیکن اپنے بیٹے کی تعلیمی ضروریات میں کمی نہ آنے دی۔ یوں سمجھ لیجیے ڈاکٹر صاحب! کہ میں نے اللہ کے پاس کمیٹی ڈال دی تھی۔ اللہ کی مہربانی سے میری کمیٹی نکل آئی اور میرے بیٹے کو آسانی سے میڈیکل کالج میں داخلہ مل گیا تھا اور آج اللہ نے اس کو ڈاکٹر بھی بنا دیا ہے میں اپنے رب کا بہت شکر گزار ہوں۔

ڈاکٹر صاحب! اب میں اپنا آبائی مکان فروخت کر دوں گا اور خود کرائے کے مکان میں رہ کر اپنے بیٹے کو اعلا تعلیم کے لیے بیرونِ ملک بھیج دوں گا۔''

انکل رحمان کی باتیں سن کر کلینک میں موجود تمام لوگوں نے دل میں تہیہ کیا کہ وہ بھی اللہ کے پاس کمیٹی ڈالیں گے اور غریبوں کی مدد ضرور کریں گے۔

ڈاکٹر صاحب نے اُٹھ کر انکل رحمان کو سلیوٹ کیا اور ان کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا:

''آپ عظیم انسان ہیں آج سے اسپتال میں مستحق مریضوں کا علاج مفت ہوگا۔ مجھے کسی صلے کی ضرورت نہیں۔ اللہ نے مجھ پر بہت کرم فرمایا ہے۔ آپ نے میرے دل میں انسانیت کی خدمت کا جذبہ پیدا کر دیا ہے۔ میں آپ کا شکر گزار ہوں۔

نونہال مصوّر

زہرہ بتول، ملتان

محمد صائم نعیم، کراچی

نہیل خان، کراچی

میمونہ مرتضیٰ، بنجوال کینٹ اٹک

آمنہ توقیر، کراچی

سیدہ فاطمہ شعیب، کراچی

حفصہ احفصہ، کراچی

علی مہران، کراچی

سید محمد احمد، کراچی

رانیہ جمیل، واہ کینٹ

زینب سلیم

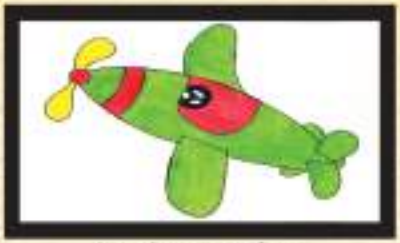

رمشاء معین الدین، کراچی

میمونہ مرتضیٰ، نجوال کینٹ اٹک

سیدہ اقراء اعجاز، حیدرآباد

محمد شعیب عبدالرحیم، کراچی

آمنہ بختاور، کراچی

نونہال خبرنامہ

خرم فرخی

اُڑن ٹیکسی

آج کل ٹریفک جام کا مسئلہ بہت سے ممالک میں عام ہوگیا ہے۔کسی کو ائیر پورٹ پہنچنا ہے، کسی کو ریل پکڑنا ہے، کوئی بیمار ایمبولنس میں ٹریفک جام میں پھنسا ہوا ہے۔اس مشکل سے نکلنے کے لیے جرمنی میں جیٹ اُڑن ٹیکسی تیار کرلی گئی ہے۔اسے اُڑن کھٹولہ بھی کہہ سکتے ہیں۔اُڑن ٹیکسی تیار کرنے والے کمپنی ''لیلیئم'' نے اس کی تیاری کے لیے طویل عرصے تک تحقیق کی ہے اور اسے ہر طرح کے ٹیسٹ سے گزارا گیا ہے۔ اس میں پانچ مسافروں کے لیے نہایت آرام دہ نشستیں رکھی گئی ہیں۔اس کے اُڑنے اور اُترنے کے لیے کسی رن وے کی ضرورت نہیں ہے۔یہ بالکل سیدھی اوپر اُٹھ جائے گی اور اسی طرح نیچے بیٹھ جائے گی۔ اس کی رفتار تین سو کلومیٹر فی گھنٹا ہے۔یہ ۲۰۲۵ء تک بڑے شہروں میں عام دستیاب ہوگی۔

چوری کریں اور انعام بھی پائیں

چوری کرنا بہت بُری بات ہے۔کوئی چور پکڑا جائے تو اسے سزا دی جاتی ہے۔آپ نے کبھی نہیں سنا ہوگا کہ چوری کرنے پر انعام دیا گیا ہے۔لندن میں کپڑوں کی ایک دوکان کی خاتون مالک نے اعلان کیا کہ میری دوکان سے کپڑے چوری کریں، ان میں سے تین کپڑے رکھیں اور اپنی اس کوشش کے بدلے آٹھ

ہزار روپے فی گھنٹا رقم بھی کمائیں۔ بس آپ کو طریقہ بتانا پڑے گا کہ آپ نے کپڑے کیسے چرائے، تاکہ دوکان کی مالکہ حفاظتی اقدامات بڑھا کر چوری واقعات کا تدارک کر سکے۔ اس سلسلے میں انھوں نے باقاعدہ اشتہار بھی چھپوایا ہے۔

ٹانگوں والے سانپ

ذرا تصور کیجیے کہ اگر سانپوں کی ٹانگیں ہوتیں تو وہ گرگٹ کی طرح تیزی سے دوڑ رہے ہوتے۔ سائنس دانوں کی ایک بین الاقوامی ٹیم نے ارجنٹائن کے صوبے ''ریونیگرو'' سے دس کروڑ سال قدیم ایسے سانپوں کی خاصی مکمل باقیات دریافت کی ہیں، جن کی ٹانگیں بھی تھی۔ ان فنا ہونے والے سانپوں کو ''نجش ریونگرینا'' کا سائنسی نام دیا گیا ہے۔ ایسے سانپوں کی باقیات پہلے بھی دریافت ہوئی ہیں، لیکن یہ پہلا موقع ہے کہ ان سانپوں کے رکازات مکمل اور سالم کھوپڑیوں اور دیگر جسمانی حصوں کے ساتھ ملے ہیں۔ یہ مکمل طور پر خشکی کا جانور تھا۔

۲۷ کلو وزنی خربوزہ

اگر آپ خربوزہ خریدنے بازار جائیں اور وہاں آپ کو ہر خربوزہ ۲۵ کلو سے زیادہ وزن کا دستیاب ہو تو آپ کتنے خربوزے لیں گے۔ ایک چینی کسان نے اپنے کھیت میں ۲۷ کلو وزنی خربوزہ اُگا کر سب کو حیران کر دیا۔ اس کارنامے پر مقامی انتظامیہ کی طرف سے ایک تقریب منعقد کی گئی۔ قریب کے کئی دیہات کے لوگ بھی اس میں شریک ہوئے اور اس کی محنت پر اس کی خوب حوصلہ افزائی کی۔ اگلے سال اس کا عالمی ریکارڈ بنانے کا ارادہ ہے۔

Press ad

Page 72

گلہری

ننھا سا پُھرتیلا جانور

محمد فرحان اشرف

گلہری، کترنے والے جانوروں کے خاندان کا رکن ہے۔ یہ ایسے جانور ہوتے ہیں جو اپنی خوراک کتر کتر کر کھاتے ہیں۔ مارموٹ، پریری ڈاگ، چپ منک اور خود گلہری اس خاندان کے مشہور رکن ہیں۔

مارموٹ پہاڑی علاقے میں پائی جانے والی بڑی گلہری ہے۔ یہ گڑھوں اور غاروں میں اپنا گھر بناتی ہے اور شدید سردی کا موسم سو کر گزارتی ہے۔ یہ عام طور پر سرخ یا بھورے رنگ کی ہوتی ہے۔
پریری ڈاگ براعظم شمالی امریکا کے گھاس کے میدانوں میں پائی جاتی ہے۔ یہ زمین میں سرنگیں بنا کر رہتی ہے۔ اس کا جسم موٹے چوہے کے برابر ہوتا ہے۔ یہ عام طور پر ہلکے سرخ، سلیٹی یا سفید رنگ کی ہوتی ہے۔
چپ منک شمالی امریکا کے جنگلوں میں پائی جاتی ہے۔ یہ درختوں کے نیچے لمبی لمبی سرنگیں بنا کر رہتی ہے۔ اس کا جسم چھوٹا اور گال پھولے ہوئے ہوتے ہیں۔ یہ اپنے گالوں میں خوراک ذخیرہ کرتی ہے۔
دنیا میں گلہریوں کی ۲۵۰ سے زائد اقسام پائی جاتی ہیں۔ اس جانور کو تین گروہوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ درختوں پر رہنے والی، زمینی اور اُڑنے والی گلہریاں۔
درختوں پر رہنے والی گلہریاں دنیا میں سب سے زیادہ پائی جاتی ہیں۔ یہ زیادہ وقت درختوں پر رہتی ہیں۔ کھانے کی تلاش میں زمین پر آتی ہیں۔ درختوں یا بڑی بڑی شاخوں میں گھر بنا کر رہتی ہیں۔ اس کی مشہور اقسام سکیورس، سرخ اور لومڑ گلہری ہیں۔
زمینی گلہریاں زمین میں سرنگ بنا کر رہتی ہیں۔ یہ اپنے پچھلے پیروں پر کھڑی ہو جاتی ہیں۔ چپ منک، مارموٹ اور پریری ڈاگ زمینی گلہریاں ہیں۔ اُڑن گلہریوں کے پچھلے پیروں کے درمیاں جھلی ہوتی ہے۔ یہ ایک درخت سے دوسرے درخت تک لمبی چھلانگ لگاتی ہیں۔ ہوا میں اُڑتے ہوئے اپنی دُم کی مدد سے توازن قائم رکھتی ہیں۔ اس کی ۴۴ ذیلی اقسام بھی ہیں۔ یہ سائبیریا کے علاوہ بحیرہ بالٹک سے بحرالکاہل تک کے جزائر میں پائی جاتی ہیں۔
گلہری کا جسم پتلا،، دُم گھنی اور آنکھیں بڑی ہوتی ہیں۔ اس کی دُم ایک درخت سے دوسرے درخت پر چھلانگ لگاتے ہوئے پیراشوٹ کا کام دیتی ہے۔ یہ اپنی دُم سے جگہ صاف کرنے اور

تیز دھوپ میں سر پر سایہ کرنے کا کام بھی لیتی ہے۔اس جانور کی دُم کے بالوں سے بہترین قسم کے برش تیار کیے جاتے ہیں، جن سے مصور تصویریں بناتے ہیں۔اس جانور کا شمار ان جانوروں میں ہوتا ہے، جو اپنی دُم سے بہت کام لیتے ہیں۔اس کی کھال نرم اور ملائم ہوتی ہے۔اس کی چند اقسام میں کھال کافی موٹی ہوتی ہے۔اس کا رنگ اقسام کے لحاظ سے مختلف ہوسکتا ہے۔

ہمارے ہاں پائی جانے والی گلہری کا رنگ سلیٹی ہوتا ہے۔اس کے جسم کی لمبائی دُم سمیت ۱۳ انچ سے لے کر تین فیٹ تک ہوتی ہے۔اس کے ہر پاؤں میں چھوٹی چھوٹی چار سے پانچ اُنگلیاں ہوتی ہیں۔اس کی اگلی ٹانگیں چھوٹی ہوتی ہیں اور ایک انگوٹھا نما اُبھار بھی اگلے پیروں پر ہوتا ہے۔اس کے پاؤں کے نیچے نرم تلوے ہوتے ہیں۔اس کے دانت بہت مضبوط اور تیز ہوتے ہیں۔اگلے دو دانت بڑے ہوتے ہیں۔یہ اپنے اگلے دانتوں سے خوراک کترنے اور توڑنے کا کام لیتی ہے۔خوراک پیسنے والے دانت اس کے منھ کے اندر ہوتے ہیں۔یہ اپنے دانتوں کو لکڑی کے ساتھ رگڑ کر تیز کرتی رہتی ہے۔گلہریاں درختوں پر بڑی تیزی کے ساتھ چڑھتی، اُترتی ہیں۔بجلی کی طرح تیزی سے ایک درخت سے دوسرے درخت پر چھلانگ لگاتی ہیں۔درخت پر گلہریوں کو کوئی شکار نہیں کرسکتا۔جہاں پر درخت کثرت سے ہوں، وہاں پر گلہریاں پائی جاتی ہیں۔گلہریاں سوائے انٹارکٹکا اور آسٹریلیا کے ہر جگہ پائی جاتی ہیں۔یہ بہت پیاری اور پُھرتیلی ہوتی ہیں اور انسانوں سے جلد مانوس ہوجاتی ہے۔یہ ہر وقت دوڑتی پھرتی ہے، صرف اُس وقت بیٹھتی ہے، جب کچھ کھا پی رہی ہو۔اسے درختوں کا چوہا بھی کہا جاتا ہے۔

گلہری بہار کے موسم میں دو سے پانچ تک بچے دیتی ہے۔پیدائش کے وقت ان بچوں کے جسم پر کھال نہیں ہوتی اور یہ اندھے بھی ہوتے ہیں۔دو تین ہفتوں کے اندر اندر یہ چلنے پھرنے کے قابل ہوجاتے ہیں۔گلہری کے دشمن، کتا، بلی، عقاب اور لومڑی وغیرہ ہیں۔یہ ان دشمنوں سے ہر

وقت چوکنّا رہتی ہے۔ زمین پر رہنے والی گلہریاں گروہ کی شکل میں رہتی ہیں۔ ایک گلہری ان کی گروپ لیڈر ہوتی ہے، جو چاروں جانب نگاہ رکھتی ہے۔ خطرہ محسوس ہوتے ہیں وہ تیز سیٹی نما آواز منہ سے نکالتی ہے، سب گلہریاں خبردار ہوکر بھاگ جاتی ہیں۔ درختوں پر رہنے والی گلہریاں خشک پھل اور پھول کھاتی ہیں۔ ان کی کچھ اقسام پرندوں کے انڈے اور بچے بھی کھالیتی ہیں۔ ان کی پسندیدہ خوراک درختوں کی چھال ہے۔ زمینی گلہریاں خشک پھل، پھول، درختوں کی چھال، پودوں کی جڑیں اور کیڑے مکوڑے کھاتی ہیں۔ اُڑن گلہریاں بھی یہی خوراک کھاتی ہیں۔ زمین اور درختوں پر رہنے والی گلہریاں گرمیوں کے موسم میں خوراک جمع کر کے زمین کے اندر یا پرانے درختوں کی کھوؤں میں محفوظ کر دیتی ہیں۔ سردی کے موسم میں خوراک دستیاب نہ ہونے کی صورت میں گلہریاں محفوظ کی ہوئی خوراک کھاتی ہیں۔ گلہریاں کم زور یادداشت کی مالک ہوتی ہیں۔ اس لیے اکثر خوراک محفوظ کر کے بھول جاتی ہیں، لیکن ان کے سونگھنے کی حِس تیز ہوتی ہے، جس سے یہ اپنی محفوظ کی ہوئی خوراک تلاش کر لیتی ہیں۔

''راٹو فا'' دنیا میں پائی جانے والی سب سے بڑی گلہری ہے۔ یہ بھارت اور نیپال کے جنگلات میں پائی جاتی ہے۔ اس کا جسم تین فیٹ تک لمبا ہوتا ہے۔ بیس سے چالیس فیٹ تک ہوا میں چھلانگ لگا سکتی ہے، جب کہ دنیا سب سے چھوٹی گلہری افریقی بونی ہے۔ یہ گیبون، استوائی گنی اور کانگو میں پائی جاتی ہے۔ اس کا جسم ۷۰ ملی میٹر لمبا ہوتا ہے۔ پاکستان میں بھی ایک گلہری دیہات میں عام پائی جاتی ہے۔ یہ انڈین پام کہلاتی ہے۔ اس کی جسامت چوہے جتنی ہوتی ہے۔ اس کی دُم چھوٹی اور گھنی ہوتی ہے۔ اس کی کھال کا رنگ پُشت پر بھورا ہوتا ہے، جس پر تین سفید پٹیاں نمایاں نظر آتی ہیں۔ اس کے پیٹ کی کھال سفید ہوتی ہے۔ کان چھوٹے اور تین کونوں والے ہوتے ہیں۔ یہ خطرے کے وقت چِپ چِپ کی آواز نکالتی ہے۔

** گلہریاں کم زور یادداشت کی مالک ہوتی ہیں۔ اس لیے اکثر خوراک محفوظ کر کے بھول جاتی ہیں۔ کاش! ہم نے گلہری سے ''نیکی کر کے بھول جانے کی صفت ہی لے لی ہوتی۔

میرے وطن کے بچو!

آمنہ عالم

میرے وطن کے سارے بچے، پھول، کلی، کونپل
طفل ابھی ہیں کمسن، ناداں، شوخ اور چنچل

علم و ہنر کا میرے بچو!، جاری رکھنا عمل
کوئی معلم، کوئی مہندس، کوئی بنے کرنل

کوئی مسیحا، کوئی مصور، کوئی سنبھالے ہل
سینہ چیر کے اس دھرتی کا کوئی نکالے جل

اب تحقیق بھی کرنی ہو تو لگتے ہیں دو پل
علم و ہنر کے فیض نے بخشا مٹھی میں گوگل

کام کے نام سے آئے نہ بچو!، پیشانی پر بل
دل جو تمہارا کوئی جلائے بن جانا صندل

ہم تو ہیں اب عصر کا سورج، سو جائیں گے ڈھل
تم ہو اُجالا صبح وطن کا، قوم کا روشن کل

جوابات معلومات افزا - ۲۸۸

دسمبر ۲۰۱۹ء میں شائع ہونے والے معلومات افزا-۲۸۸ کے درست جوابات ذیل میں لکھے جارہے ہیں۔اس بار تمام درست جوابات دینے والے نونہالوں کی تعداد ۱۵ سے زیادہ تھی،اس لیے قرعہ اندازی کر کے ۱۵ نام نکالے گئے۔ان نونہالوں کو ایک ایک کتاب روانہ کی جائے گی۔باقی نونہالوں کے نام شائع کیے جارہے ہیں۔

۱۔ ''ابوالانبیاء'' حضرت ابراہیمؑ کو کہا جاتا ہے۔
۲۔ فجر کی اذان میں ''الصلوٰۃ خیرامن النوم'' کا اضافہ حضرت عمر فاروقؓ کی تجویز پر ہوا۔
۳۔ گوادر ۱۹۵۸ء میں پاکستان کا حصہ بنا۔
۴۔ پاکستان میں پہلا ٹی وی اسٹیشن لاہور میں قائم ہوا۔
۵۔ بابائے معاشیات ایڈم اسمتھ کو کہا جاتا ہے۔
۶۔ بچوں کے ادب میں سب سے نمایاں مقام کرسچن اینڈرسن کو حاصل ہے۔
۷۔ ''پلاٹینیم'' وہ دھات ہے،جس پر تیزاب اثر نہیں کرتا۔
۸۔ جرمن چانسلر اڈولف ہٹلر آسٹریا میں پیدا ہوا۔
۹۔ اردو زبان کا ایک محاورہ یہ ہے:''آنکھوں پر پردہ پڑ جانا۔''
۱۰۔ معروف شاعر سیماب اکبرآبادی کے اس مشہور شعر کا دوسرا مصرع اس طرح درست ہے:

عمرِ دراز مانگ کے لائی تھی چار دن دو آرزو میں کٹ گئے،دو انتظار میں

قرعہ اندازی میں انعام پانے والے خوش قسمت نونہال

☆ کراچی:حمنیٰ رومی،عفان احمد انصاری،ارسلان احمد،احمد حسن،یمنیٰ شیخ،عبدالرحمٰن عارف۔
☆ حیدرآباد:ماہ رُخ ☆ ٹوبہ ٹیک سنگھ:سعدیہ کوثر مغل ☆ تلہ گنگ:محمد حسان عبداللہ۔
☆ لاہور:علی امام ☆ اسلام آباد:عائشہ جواد ☆ رحیم یار خان:فرشتے حبیب۔
☆ مظفرگڑھ:سارہ عزیز ☆ سرگودھا:مزمل شہباز ☆ ڈیرہ غازی خان:علی عمران کلاچی۔

۱۰ درست جوابات دینے والے قابل نونہال

☆کراچی: علینا اختر، وردہ مصطفیٰ، ماہم طارق، محمد حسن دانش منصوری جی، عبیرہ طیب خان، اسما اشرف ☆راولپنڈی: ہانیہ نوربٹ ☆حیدرآباد: مریم بنتِ کاشف ☆کالاگجراں: سیماں کوثر ☆مظفرگڑھ: عبیرہ ملک۔

۹ درست جوابات بھیجنے والے سمجھ دار نونہال

☆کراچی: احتشام الدین، اریبہ محمد، فاطمہ توقیر، فرحین فراز، سیدہ فاطمہ شعیب، محمد عباس شیخ، معارج بن طارق مغل، سیدہ رومیشہ طارق، سید سیف علی، ہدیٰ ملک، محمد سہیل حسین تونسوی، سید عفان احمد، محمد حذیفہ آفتاب، رباب فاطمہ، سیدہ ناہید نرگس، رمان معراج ☆شیر شاہ کالونی: بشریٰ ☆راولپنڈی: محمد جواد عباسی، محمد معاذ حفیظ ☆میر پور خاص: عائشہ ملک ☆فیصل آباد: خاور محمود نور ☆ٹیاری: فاروق جان بہلم پٹھان، بابر گل خان بہلم پٹھان ☆خوشاب: قمر الزمان ☆مظفرگڑھ: احمد خان لغاری ☆پرانا نواب شاہ: ثانی زہرا ☆اوکاڑہ کینٹ: ہادیہ زینب ☆حیدرآباد: عائشہ ایمن عبداللہ ☆لاہور: اُسامہ ضیا، ولید اشرف۔

۸ درست جوابات بھیجنے والے علم دوست نونہال

☆کراچی: زینب ناز سلطان، آمنہ ہارون، ہما ساجد خان، محمد صادق صدیق، محمد حسیان شاہ فیصل، محمد اُسامہ رفیق، ربینہ ناز، نیجہ خان ☆لاہور: حفصہ سجاد، رامین سجاد، مہ نور ذیشان یٰسین ☆میر پور خاص: میر حسنین رضا، اسما خان ☆نواب شاہ: نعمان رمضان، عبدالرزاق ☆بہاول پور: محمد اُسامہ اقبال ☆حیدرآباد: تحریمہ شاہد ☆پرانا سکھر: محمد حسیب ☆ڈیرہ اسماعیل خان۔

۷ درست جوابات بھیجنے والے ذہین نونہال

☆کراچی: آمنہ بختاور، مسفرہ ناز، آصف علی، محمد احمد اسلم، حافظہ حور لائبہ خداداد ☆ڈیرہ نواب صاحب: مصباح آصف ☆حیدرآباد: سیدہ اقرا اعجاز ☆راولپنڈی: ملک شازر احمد ☆پرانا نواب شاہ: محمد عاصم مغل ☆اوباڑو: احسان علی ☆اسلام آباد: اشتیاق سرور اعوان۔

۶ درست جوابات بھیجنے والے محنتی نونہال

☆کراچی: محمد عدنان سیفل، دلاور، محمد علی، اریبہ نصیر انصاری ☆راولپنڈی: حسنات فیاض، ملک محمد احسن ☆لاہور: عشرت جہاں۔

جھوٹ

سیدہ نازاں جبیں

اسلم نویں جماعت کا طالب علم تھا۔ وہ ایک خوش اخلاق اور باادب لڑکا تھا۔ پڑھائی میں بھی اچھا تھا لیکن طبیعت میں خاصا لاابالی پن تھا، اسے گھومنے پھرنے کا بھی بے حد شوق تھا۔ ہر سال اسکول کی چھٹیوں میں وہ گھر والوں کے ساتھ کہیں نہ کہیں سیر و تفریح کے لئے جایا کرتا تھا اور اس مرتبہ بھی جانے کے لئے پُر جوش تھا۔ اسلم کے اندر ایک بہت بری عادت تھی کہ وہ جھوٹ بہت بولتا تھا۔ اس کے والدین اور اساتذہ نے کئی مرتبہ اسے سمجھایا کہ ’’دیکھو بیٹا! جھوٹ بولنا گناہ ہے۔ جو شخص جھوٹ بولتا

ہے وہ ہر کسی کے لیے نا قابلِ اعتبار ہو جاتا ہے''۔اپنی اس عادت کی وجہ سے اس کو کئی بار نقصان بھی اٹھانا پڑا۔وہ ہر بار اپنے والدین اور استادوں سے وعدہ کرتا کہ آئندہ جھوٹ نہیں بولے گا،مگر اس کا یہ وعدہ ہمیشہ پانی پر لکیر ثابت ہوتا۔

موسمِ گرما کی تعطیلات ہوئیں اور اسکول دو ماہ کے لئے بند ہو گئے۔ہمیشہ کی طرح چھٹیوں کا کام ملا تا کہ بچے پڑھائی کی طرف سے غافل نہ ہو جائیں۔اسلم کو ان ہی دنوں کا شدّت سے انتظار تھا،اسی لیے اس نے ایک مہینے کے اندر تمام کام مکمل کر لیا اور پھر اپنے امی ابو سے فرمائش شروع کر دی۔

''ابو! ہم لوگ گھومنے کب جائیں گے؟''اسلم نے اپنے والد سے سوال کیا۔اس کی آنکھوں میں چمک تھی۔

''جائیں گے بیٹا! بہت جلد، انشاءاللہ''۔ابو نے مسکرا جواب دیا۔

''ارے! اس کا بس چلے تو آج ہی جانے کی ضد شروع کر دے''۔امی نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''بیٹا! ایسی بھی کیا جلدی ہے؟ ابھی تو تمہاری چھٹیاں ختم ہونے میں پورا ایک مہینا باقی ہے''۔ابو نے اسلم کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

''ابو جی! آپ کو پتا ہے، مجھے سمندر کی سیر کرنے کا کتنا شوق ہے۔میں کبھی نہیں گیا ساحل سمندر پر، اور ماموں بتا رہے تھے کہ جب پانی چڑھے گا تو پابندی لگ جائے گی پھر سمندر میں جانے نہیں دیا جائے گا''۔اسلم نے منہ بسورتے ہوئے جلد بازی کی وجہ بتائی۔

''تو ضروری ہے کہ سمندر کی ہی سیر کی جائے۔ہم تمہیں کسی پارک لے جائیں گے، جہاں جھولے ہوں گے وہاں انجوائے کر لینا''۔امی نے اس کا دھیان دوسری طرف لگانا چاہا۔

''نہیں بھئی، مجھے سمندر کی سیر کے لیے ہی جانا ہے۔سب جاتے ہیں، میری کلاس کے سب بچوں نے ساحل سمندر پر پکنک منائی ہے۔میرا بھی بہت دل چاہ رہا ہے''۔اسلم بہ ضد تھا۔

''اچھا بابا! ہم تمہیں لے چلیں گے ساحل سمندر، انشاءاللہ۔اب خوش؟''ابو نے ہتھیار ڈالتے ہوئے اس کی بات مان لی۔اسلم خوش ہو گیا اور انتظار کرنے لگا۔یہ بھی اتفاق تھا کہ امی، ابو

مصروفیات کی وجہ سے پروگرام نہیں بنا پا رہے تھے۔ وہ روزانہ اپنے والدین کے سر پر سوار ہو جاتا اور اسے وہی جواب ملتا۔ اسلم مایوس ہونے لگا اور سوچنے لگا کہ اسے خود ہی کچھ کرنا پڑے گا پھر اس کے ذہن میں ایک ترکیب آئی اور اس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ اس نے اگلے دن ہی اپنے دوستوں آصف اور کاشف سے رابطہ کیا۔ آصف اور کاشف دونوں بھائی تھے اور اسلم کے ساتھ اسکول میں ہی پڑھتے تھے۔

''یار! کیوں نہ ساحل سمندر کی سیر کو چلیں؟ تم دونوں کا کیا خیال ہے؟'' اسلم نے پر جوش لہجے میں آصف اور کاشف سے پوچھا۔

''سمندر!!! ارے واہ.... خیال تو بہت اچھا ہے مگر جا کون رہا ہے جس کے ساتھ ہم جائیں گے؟'' آصف نے خوش ہوتے ہوئے جواباً سوال کیا۔

''ہم تینوں جا رہے ہیں۔ میں، تم اور کاشف''۔ اسلم نے ایک ترنگ میں جواب دیا۔

''ہیں!!! ہم تینوں، ایک دوسرے کے ساتھ.... مطلب اکیلے؟؟ ہم اکیلے کیسے جا سکتے ہیں یار؟'' کاشف نے حیران ہو کر پوچھا۔ آصف بھی دنگ رہ گیا۔

''ارے یار! کچھ نہیں ہوتا۔ سب ہی جاتے ہیں ہم کوئی انوکھے تھوڑے ہی ہیں۔ پھر ہم تینوں ساتھ ہوں گے تو اکیلا پن کیسا''۔ اسلم نے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

''مگر یار! ہمیں گھر سے اجازت نہیں ملے گی اس طرح اکیلے جانے کی''۔ آصف نے حقیقت سے آگاہ کیا۔

''ہاں.... اسی بات کا تو افسوس ہے کہ نہ تو اجازت ملے گی، نہ گھر والے کہیں لے کر جائیں گے اور چھٹیاں ختم ہو جائیں گی۔ اسی لیے میں نے سوچا ہے کہ ہم گھر پر کوئی بہانہ بنا دیں گے اور پھر چلیں گے۔ کیوں؟'' اسلم نے قائل کرنے والے انداز میں کہا۔

نہیں، نہیں یار! گھر والوں سے جھوٹ بول کر نہیں جائیں گے۔ اگر پکڑے گئے یا کہیں پھنس گئے تو بہت پٹائی ہوگی''۔ کاشف نے ڈرتے ہوئے کہا۔

''اوہو! تم دونوں کیا ڈرپوک لوگوں کی طرح باتیں کر رہے ہو۔اب ہم اتنے بھی بچے نہیں ہیں۔''اسلم نے کہا۔

''اچھا! چلو ٹھیک ہے...مگر یہ تو سوچو کہ ہم گھر والوں سے کیا کہیں گے؟'' کاشف نے ہار مانتے ہوئے اصل مسئلے کی طرف توجہ دلائی۔

''ہاں یار! گھر پر کیا کہیں گے؟ یہ تو سوچا ہی نہیں''۔آصف نے بھی بھائی کی ہاں میں ہاں ملائی۔

''میں نے سوچ لیا ہے۔گھر والوں سے کہیں گے کہ ایک ضروری اسائنمنٹ بنانا رہ گیا ہے۔تھوڑا مشکل ہے اسی لیے ہم ایک ساتھ مل کر بنا رہے ہیں اور ہمیں پورا دن لگ جائے گا اور یہ اسائنمنٹ ہم تمہارے گھر پر بنائیں گے اور تم لوگ کہنا میرے گھر پر بناؤ گے''۔اسلم پہلے سے ہی سوچ کر بیٹھا تھا کہ کیا بہانہ بنایا جائے۔

''کیا؟ ہمارے گھر پر؟؟ پاگل ہو گئے ہو کیا!! اگر واپسی پر زیادہ دیر ہو گئی اور ہمارے والدین نے ایک دوسرے کے گھر فون کر کے پوچھ لیا تو؟؟'' کاشف نے پریشانی اور حیرت کے عالم میں اسلم اور آصف کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔آصف بھی حیران رہ گیا تھا۔

''کاشف صحیح کہہ رہا ہے اسلم! اگر ہمیں دیر ہو گئی تو ہمارے جھوٹ کا پتا چل جائے گا پھر بہت پٹائی ہو گی یار!!'' آصف نے پریشان کن لہجے میں کہا۔

''ارے یار!! ایسا کچھ بھی نہیں ہو گا۔میں نے کہا نا کہ ہم جلدی واپس آ جائیں گے۔شام ہونے سے پہلے ہی وہاں سے نکل جائیں گے اور شام تک گھر پہنچ جائیں گے۔اب تم لوگ یہ سب سوچنے کے بجائے ساحل سمندر کے بارے میں سوچو۔کیا کیا ساتھ لے کر جانا ہے اور کیا تیاری کرنی ہے یہ سوچو۔ایک ہی دن کی تو بات ہے یار....!!''اسلم نے اب کی بار زچ ہو کر کہا۔

آخر کار آصف اور کاشف دونوں ہی مان گئے اور پھر تینوں نے اپنے اپنے والدین سے ''اسائنمنٹ'' بنانے کی اجازت لے لی جو کہ چند سوال جواب کے بعد انہیں مل گئی اور پھر وہ تینوں جانے کی تیاری کرنے لگے۔سامان زیادہ نہیں تھا اس لیے آسانی سے اسکول بیگ میں آ گیا اور اگلے ہی دن یہ تینوں

صبح سمندر کی سیر کے لئے روانہ ہوگئے۔اسلم نے اپنے ابو کا کیمرا نظر بچا کر اپنے بیگ میں ڈال لیا تھا تا کہ تصویریں بنا سکے۔ساحل سمندر پہنچ کر تینوں بالخصوص اسلم کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہیں تھا۔

''واہ! سمندر دیکھ کر ہی مزہ آ گیا۔سوچو ابھی اور کتنا مزہ آئے گا''۔اسلم نے خوشی سے اپنے دوستوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''واقعی یار! یہ تو سوچا ہی نہیں تھا۔کیا دل فریب منظر ہے،خوب صورت اور یہ لہریں!!'' آصف بھی سمندر کے منظر میں کھو سا گیا۔

''ارے وہ دیکھو! اونٹ اور گھوڑے....بھئی میں ان دونوں کی سواری کروں گا میں نے پہلے بتا دیا ہے''۔کاشف نے بھی پر جوش لہجے میں کہا۔

''ہاں کیوں نہیں! ہم بھی سواری کریں گے اور یہ سامنے جو ریسٹورنٹ ہے،کھانا وہاں کھائیں گے''۔اسلم نے جواب دیا اور پھر اپنے بیگ سے ابو کا کیمرا نکال کر تصویریں کھینچنے لگا۔ان تینوں نے خوب تصاویر بنائیں اور سارا دن مزے کرتے رہے۔دل بھر کر نہائے،ایک دوسرے کے ساتھ پانی میں خوب کھیلے۔

''یار! اتنا مزہ آ رہا ہے کہ واپس جانے کا دل ہی نہیں چاہ رہا''۔یہ کاشف تھا جو آنے کے لیے پہلے راضی ہی نہیں تھا۔

''دیکھ لو! سب سے زیادہ تم ہی مخالفت کر رہے تھے اس پروگرام کی۔اگر گھر والوں کے آسرے پر رہتے تو انتظار ہی کرتے رہ جاتے''۔اسلم نے اتراتے ہوئے کہا۔

''صحیح بات ہے! اتنا مزہ گھر والوں کے ساتھ بھی نہیں آتا''۔آصف بھی اپنی دھن میں مگن تھا۔اس کے بعد انھوں نے اونٹ اور گھوڑے پر سواری کی اور بہت سے گیمز کھیلے۔پھر بھوک لگنے لگی۔

''یار! بھوک لگ رہی ہے،چلو چل کر کھانا کھاتے ہیں''۔اسلم نے کہا اور تینوں سامنے بنے ہوئے شاندار سے ریسٹورنٹ میں کھانا کھانے چلے گئے۔وہاں سمندر میں نہا کر آنے والوں کے لئے باہر تخت بھی لگے ہوئے تھے،جہاں انھوں نے بیٹھ کر کھانا کھایا۔کھانا بہت لذیذ تھا۔تینوں نے خوب سیر ہو کر کھایا۔پھر انھوں نے مل کر اپنی اپنی پاکٹ منی سے بل ادا کیا پھر سمندر کا رخ کیا اور آتی جاتی لہروں سے جی بھر کر

لطف اندوز ہوئے۔کھیل کود اور تفریح میں دن گزرنے کا احساس ہی نہ ہوا اور اب شام ہونے لگی۔
پھر خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ اچانک موسم تبدیل ہوگیا۔آسمان پر بادل چھانے لگے اور دیکھتے ہی دیکھتے کالی گھٹا میں بدلنے لگے۔تیز ہوائیں چلنے لگیں اور آناً فاناً موسلا دھار بارش شروع ہوگئی۔وہ تینوں اس صورت حال سے بوکھلا گئے۔بارش نے شدت اختیار کر لی تھی اور اس کے ساتھ گرج چمک ان کے دل دہلانے کو کافی تھی۔اب ان تینوں کے اوسان خطا ہوگئے اور انھوں نے واپس جانے کا ارادہ کیا مگر واپسی کا یہ سفر ان لوگوں کے لیے کتنا دشوار ہوگا،اگر ان کے وہم وگمان میں بھی ہوتا تو وہ شاید کبھی یہ پروگرام نہ بناتے۔بارش تیز سے تیز تر ہوتی جارہی تھی۔تھوڑی ہی دیر میں سارا شہر جل تھل ہوگیا۔گلیوں میں اور سڑکوں پر پانی جمع ہوگیا اور آنے جانے کے راستے بند ہونا شروع ہوگئے۔
''یار! یہ بارش تو رکنے کا نام ہی نہیں لے رہی ہے''۔آصف نے پریشان کن لہجے میں کہا۔
''ہاں یار! اور پانی دیکھو کتنا جمع ہوگیا ہے چلنا دشوار ہورہا ہے''۔اسلم بھی اب بہت پریشان ہوگیا تھا۔
''میرے اللہ!! بجلی بھی چمک رہی ہے.... مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔ہم گھر واپس کیسے جائیں گے اب؟'' کاشف نے خوف زدہ ہوتے ہوئے کہا۔وہ تینوں بارش سے بچنے کے لئے ایک درخت کے نیچے جا کھڑے ہوئے۔
''یہاں کھڑے ہوکر انتظار کرتے ہیں بارش رکنے کا،پھر کوئی رکشا یا ٹیکسی کر کے واپس جائیں گے''۔اسلم نے تسلی دیتے ہوئے کہہ تو دیا،مگر اندر سے اس کا دل بھی دھک دھک کر رہا تھا اور وہ شدید خوف زدہ ہو چکا تھا۔
''پتا نہیں اتنی بارش میں کوئی سواری ملے گی بھی یا نہیں! یا اللہ تو ہماری مدد فرما''۔آصف نے بے بسی سے کہا اور دعا مانگنے لگا۔دعا مانگتے مانگتے آصف نے آسمان کی طرف دیکھنا چاہا مگر جیسے ہی اس نے نگاہیں اٹھائیں تو اس کی نظر ایک گھنے سے درخت پر پڑی اور پھر اس کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔
آصف کو سکتے میں دیکھ کر کاشف اور اسلم نے جوں ہی اس کی نگاہوں کے تعاقب میں آنکھیں دوڑائیں تو ان کی چیخ نکل گئی۔وہ دو آنکھیں تھیں جو انہیں ہی گھور رہی تھیں مگر وہ کون سی بلا تھی،یہ سمجھ میں نہیں آرہا تھا،

کیوں کہ اندھیرا ہوگیا تھا اور سوائے آنکھوں کے کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ان تینوں پر لرزہ طاری ہوگیا تھا اور خوف کی شدت سے ان کی آوازیں بھی کپکپا رہی تھیں۔

''وہ....وہ....او....او....اوپر....کک....کیا ہے؟'' آصف نے ہکلاتے ہوئے کہا۔مگر اسلم اور کاشف کے منھ سے کوئی آواز نہ نکلی۔مارے خوف کے ان کے بھی ہوش اڑ گئے تھے۔اچانک ہی اس مخلوق نے درِ خت سے چھلانگ لگادی اور ان تینوں کی چیخیں نکل گئیں۔وہ سمجھے شاید اس مخلوق نے ان پر حملہ کردیا ہے اور اب ان کی خیر نہیں۔

''میاؤں!!'' وہ ایک کالی بلّی تھی،۔اس لیے اندھیرے میں اس کی صرف آنکھیں چمکتی ہوئی نظر آرہی تھیں۔وہ بلّی تھوڑی ہی دیر میں 'میاؤں میاؤں' کرتی ہوئی نظروں سے اوجھل ہوگئی۔اس عرصے میں ان تینوں کا اچھا خاصا خون خشک ہو چکا تھا۔کچھ دیر بعد جب ان کے حواس بحال ہوئے تو انھوں نے فوراً ہی سواری تلاش کرنا شروع کردی۔آخر ایک ٹیکسی نظر آئی،لیکن کرایہ زیادہ مانگ رہا تھا۔

''600 روپے!!! اتنے پیسے تو ہمارے پاس نہیں ہیں انکل! پلیز آپ پیسے کم کرلیں،ہمیں جلدی گھر جانا ہے۔پلیز''۔اسلم نے ملتجی لہجے میں کہا۔

''نہیں بیٹا، پیسے تو کم نہیں ہوسکتے یہ بارش دیکھ رہے ہو،سڑکوں کی حالت خراب ہوچکی ہے گاڑی چلانا ایک مشکل کام ہے ایسے میں۔ہر جگہ پانی کھڑا ہے''۔ٹیکسی ڈرائیور ٹس سے مس نہ ہوا۔

''دیکھیں انکل،ہم پہلے ہی بہت مشکل سے یہاں تک پہنچے ہیں۔آپ پلیز کرایہ تھوڑا کم کرلیں''۔ کاشف نے منت کرتے ہوئے روہانسی آواز میں کہا۔

''نہیں،ایک روپیہ بھی کم نہیں ہوسکتا۔واپسی پر بھی کوئی سواری نہیں ملے گی۔'' ٹیکسی ڈرائیور نے دو ٹوک جواب دے دیا۔ایک گھنٹا اسی طرح سواری کی تلاش میں گزر گیا،مگر کوئی سواری نہ ملی۔جو بھی سواری ملتی ڈرائیور اتنی دور جانے سے ہی انکار کردیتے یا کرایہ بہت زیادہ مانگتے۔ان تینوں کے پاس اب اتنے پیسے نہیں بچے تھے کہ اتنا زیادہ کرایہ دے سکتے۔اب رات ہوچکی تھی۔بارش گرج چمک کے ساتھ جاری تھی اور اب اندھیرے نے پورے شہر کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا،کیوں کہ

لائٹ جا چکی تھی ، پورا شہر تاریکی میں ڈوب چکا تھا۔اب صحیح معنوں میں وہ تینوں پچھتا رہے تھے ۔ پریشانی اور خوف کے مارے ان کا برا حال تھا اور وہ دل ہی دل میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے جا رہے تھے کہ وہ صحیح سلامت، خیر وعافیت سے گھر پہنچ جائیں۔

''میں تو پہلے ہی منع کر رہا تھا کہ جھوٹ بول کر نہیں جاؤ، مگر تم لوگوں نے میری ایک نہ سنی۔اب گھر والوں سے بھی رابطہ نہیں کر سکتے اور گھر جانے کا بھی دور دور تک کوئی امکان نظر آ رہا ہے''۔کاشف نے غصّے سے اسلم اور آصف سے کہا۔

''کاشف ٹھیک کہہ رہا ہے ۔میں بھی اس پروگرام کے حق میں نہیں تھا، بس تمہاری باتوں میں آ گیا۔کاش! میں یہاں نہ آتا''۔آصف نے اسلم کو قصوروار ٹھہراتے ہوئے افسوس کیا۔

''واقعی یار! تم دونوں بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو۔مجھ سے بہت بڑی غلطی ہوگئی۔اب مجھے بھی بہت ڈر لگ رہا ہے۔بس کسی طرح ہم خیریت سے گھر پہنچ جائیں''۔اسلم شرمندہ تھا اور پچھتا رہا تھا۔

''خیریت سے گھر پہنچنے کے بعد بھی خیریت نہیں ہوگی! کیوں کہ اب تک تو ہمارے والدین شاید ہمیں تلاش کرنے نکل پڑے ہوں گے''۔کاشف نے کہا۔

ادھر بچوں کے گھر والوں کا بھی فکر سے برا حال تھا، کیوں کہ وہ ایک دوسرے کے گھر فون کر کے پوچھ چکے تھے۔ان کے بچے کہیں نہیں تھے۔انھوں نے تھوڑی دیر مزید انتظار کیا پھر اسلم، کاشف اور آصف کے والد انہیں ڈھونڈنے کے لئے گھر سے نکل گئے اور ان کی والدہ جائے نماز بچھا کر اللہ کے حضور دعائیں مانگنے لگیں۔

''سنیے! جب بچے مل جائیں تو انہیں ڈانٹیے گا نہیں، آرام سے گھر لے آیئے گا''۔یہ آصف اور کاشف کی والدہ تھیں جو اپنے شوہر سے نرمی کی درخواست کر رہی تھیں۔مگر ان کے شوہر نے کوئی جواب نہیں دیا۔

''آج تو اس کی خیر نہیں! یہ مل جائے ذرا تو اس کی ٹانگیں توڑ دوں گا!!!''۔اسلم کے والد کا غصّے سے برا حال تھا، کیوں کہ وہ اپنے بیٹے کی جھوٹ بولنے کی عادت سے خوب واقف تھے۔

اسلم کی والدہ خوف اور پریشانی کے عالم میں دل ہی دل میں دعائیں مانگ رہی تھیں۔وہ جانتی

تھیں کہ اس وقت اپنے شوہر سے کچھ کہنا بے سود ہے!

''آخر یہ لوگ کہاں جا سکتے ہیں؟'' اپنے بچوں کے تمام دوستوں کے گھر جا کر معلوم کرنے کے بعد آصف اور کاشف کے والد نے مایوسی سے اسلم کے والد سے پوچھا۔

''یہی میں بھی سوچ رہا ہوں''۔ اسلم کے والد نے ٹارچ گھماتے ہوئے پریشانی کے عالم میں جواب دیا۔

''کہیں خدانخواستہ انہیں کسی نے...'' کاشف کے والد نے ڈرتے ڈرتے اپنا خدشہ ظاہر کیا۔

''نہیں، نہیں! اللہ نہ کرے.... ایسا کچھ نہیں ہوا ہوگا، مجھے یقین ہے''۔ اسلم کے والد نے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ یہ کہہ کر وہ بھی اندر سے لرز گئے تھے۔ پھر اچانک ایک خیال بجلی کی طرح ان کے دماغ میں کوندا اور ان کا دل کہنے لگا کہ بچے وہیں ہوں گے۔

''چلیں میرے ساتھ! مجھے معلوم ہے کہ وہ کہاں ہوں گے''۔ انہوں نے آصف کے والد سے کہا۔

''کہاں؟ بتایئے؟؟'' آصف کے والد نے بے چینی سے پوچھا۔

''ساحل سمندر''۔ اسلم کے والد نے جواب دیا۔

''ساحل سمندر؟ یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں؟'' آصف کے والد نے سوال کیا۔

''کیوں کہ اسلم کو سمندر کی سیر کا بہت شوق ہے۔ وہ کافی دنوں سے ہم سے ضد کر رہا تھا کہ اسے لے کر چلیں۔ مجھے یقین ہے کہ یہ لوگ وہیں گئے ہوں گے''۔ اسلم کے والد نے وجہ بتائی۔

''چلیں پھر جلدی کریں''۔ آصف اور کاشف کے والد کا بس نہیں چل رہا تھا کہ پَر لگا کر اڑتے ہوئے پہنچ جائیں۔ یہی حال اسلم کے والد کا بھی تھا۔ ساحل سمندر کی طرف جاتے ہوئے انہیں بہت مشکل کا سامنا کرنا پڑا۔ ہر جگہ پانی کھڑا تھا، اس لیے ان کی گاڑی بار بار بند ہو رہی تھی اور اندھیرے کی وجہ سے گاڑی کی ہیڈ لائٹس کی روشنی میں صاف دکھائی بھی نہیں دے رہا تھا۔ رات کا وقت، سمندر کا کنارا، تیز بارش اور اندھیرے میں ان کا ملنا آسان بھی نہیں تھا۔ ان کے والد کے دل دکھ سے بھر گئے تھے اور آخر وہ انتہائی مایوسی کے عالم میں سر جھکائے بوجھل قدموں سے واپس گھر کی طرف چل دیئے۔

''لگتا ہے اب پولیس کی مدد لینی پڑے گی''۔ اسلم کے والد نے بے چارگی سے کہا، جب کہ آصف،

کاشف کے والد تو سکتے کی کیفیت میں تھے۔ دونوں کے گھروں میں صفِ ماتم بچھی ہوئی تھی۔ ان کی ماؤں کو کسی پل قرار نہیں آ رہا تھا اور وہ بے چینی سے بار بار پہلو بدل رہی تھیں اور اپنے شوہروں سے مطالبہ کر رہی تھیں کہ ان کے بچوں کو کسی طرح، کہیں سے بھی ڈھونڈ کر لائیں۔

ادھر وہ تینوں ڈرتے ڈرتے چلے جا رہے تھے کہ شاید کوئی گاڑی مل جائے اور وہ گھر پہنچ سکیں کہ تیز ہیڈ لائٹس سے ان کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ ایک گاڑی ان کے قریب آ کر رکی۔ ایک لمحے کے لئے ان کے دل اُچھل کر حلق میں آ گئے کہ کہیں کوئی انہیں اغواء تو نہیں کر رہا؟ پھر گاڑی سے مخصوص یونیفارم پہنے کچھ لوگ اتر کر ان کے پاس آئے اور کہا کہ گھبرانے کی ضرورت نہیں وہ ایدھی کے رضا کار ہیں۔ یہ سن کر ان کی جان میں جان آئی۔ پھر ایدھی کے رضا کاروں نے ان سے پوچھا، ''بیٹا! اتنی رات کو اس بارش میں آپ لوگ کہاں جا رہے ہیں؟ اور اس قدر گھبرائے ہوئے کیوں ہیں، سب خیریت تو ہے؟؟'' تب انھوں نے روتے روتے سارا ماجرا کہہ سنایا۔ پھر ایدھی کے رضا کار انھیں گاڑی میں بٹھا کر ایدھی سینٹر لے گئے۔ وہاں جا کر ان سے ان کے گھر کا فون نمبر پوچھا اور ان کے گھروں پر فون کر کے اطلاع دی کہ ان کے بچے یہاں ایدھی سینٹر میں موجود ہیں اور خیریت سے ہیں، وہ صبح آ کر انھیں لے جائیں۔ رات کے وقت تیز بارش میں یہ ناممکن تھا کہ وہ بچوں کو لینے آ پاتے۔ سڑکیں کسی دریا کا منظر پیش کر رہی تھیں۔ ان کے والدین کو اس فون سے کچھ تسلی ہوگئی۔ وہ رات ان تینوں نے ایدھی سینٹر میں کانٹوں پر لوٹتے ہوئے گزاری اور یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ اگر ایدھی کے رضا کار فرشتہ بن کر نہ پہنچتے تو ان کا کیا حال ہوتا اور وہ لوگ گھر کس طرح جاتے۔

صبح ہوتے ہی ان کے والدین انہیں لینے پہنچ گئے اور بچے اپنے اپنے گھر پہنچ گئے۔ ان تینوں کے والدین نے انھیں ڈانٹنے اور مارنے کا ارادہ ترک کر دیا، کیوں کہ ان کے خیال سے ان کے کیے کی سزا انہیں اچھی خاصی مل گئی تھی۔ وہ اپنے بچوں سے کچھ دن ناراض رہے، مگر یہ ناراضگی زیادہ دن نہیں رہ سکی، کیوں کہ ان تینوں کو سبق مل گیا تھا اور انھوں نے سچے دل سے توبہ کر لی تھی اور اپنے والدین سے معافی مانگ کر آیندہ کبھی جھوٹ نہ بولنے کا عہد کر لیا تھا۔

انعامی سلسلہ ۲۹۰

معلومات افزا

س۔ف

درجِ ذیل ۱۰ سوالات کے جوابات **۱۵ر فروری ۲۰۲۰ء** سے قبل بھجوادیں۔ جواب کے ساتھ کوپن کا آنا ضروری ہے۔ تمام درست جواب دینے والے پندرہ نونہال انعام کے حق دار ٹھہریں گے۔ تعداد زیادہ ہونے کی صورت میں انعام کا فیصلہ قرعہ اندازی کے ذریعے کیا جائے گا۔

۱ حضرت ابوبکرؓ، حضورِ اکرمؐ سے عمر میں تقریباً.....سال چھوٹے تھے۔ (ایک ۔ ڈھائی ۔ پانچ)

۲ اقوامِ متحدہ کی بنیاد ۱۹۴۵ء میں امریکی شہر.....میں رکھی گئی تھی۔ (سان فرانسسکو ۔ واشنگٹن ۔ کولمبیا)

۳ ہندوستان کی پہلی مسلمان خاتون حکمران.....تھی۔ (زیب النسا ۔ رضیہ سلطانہ ۔ نور جہاں)

۴ مشہور عوامی رہنما ہو چی منہ عوامی جمہوریہ.....کے پہلے صدر تھے۔ (ویت نام ۔ کمبوچیا ۔ الجزائر)

۵ ''ولنگٹن''.....کا دارالحکومت ہے۔ (فن لینڈ ۔ گرین لینڈ ۔ نیوزی لینڈ)

۶ جناب عمران اسماعیل صوبہ سندھ کے.....ویں گورنر ہیں۔ (۳۱ ۔ ۳۲ ۔ ۳۳)

۷ مشہور کتاب ''خمارِ گندم'' ممتاز مزاح نگار.....کی تصنیف ہے۔ (ابنِ انشا ۔ مشتاق یوسفی ۔ کرنل محمد خان)

۸ ایک ریل گاڑی دس منٹ میں آٹھ میل کا فاصلہ طے کرتی ہے تو سات سو بیس میل کا فاصلہ.....گھنٹوں میں طے کرے گی۔ (تیرہ ۔ چودہ ۔ پندرہ)

۹ اردو زبان کی ایک ضرب المثل یہ ہے/''اُلٹا چور.....کوڈانٹے۔'' (قاضی ۔ سنتری ۔ کوتوال)

۱۰ مشہور شاعر ناطق لکھنوی کے اس شعر کا دوسرا مصرع مکمل کیجیے:

کہہ رہا ہے شورِ دریا سے سمندر کا سکوت جس کا جتنا.....ہے، اتنا ہی وہ خاموش ہے

(حوصلہ ۔ ظرف ۔ دبدبہ)

کوپن برائے معلومات افزا نمبر۲۹۰ (فروری ۲۰۲۰ء)

نام : _____

پتا : _____

عمر : _____ تعلیم : _____

کوپن برائے بلاعنوان انعامی کہانی (فروری ۲۰۲۰ء)

عنوان : _____

نام : _____

پتا : _____

عمر : _____ تعلیم : _____

کوپن برائے نام بوجھیے (فروری ۲۰۲۰ء)

نام شخصیت : _____

نام نونہال : _____ عمر : _____ تعلیم : _____

پتا : _____

ایک کوپن، ایک نونہال کے لیے ہے۔ ایک ہی عنوان لکھیے۔
اپنا پتا صاف اور خوش خط لکھیے۔ کوپن کو A4 سائز کے کاغذ پر چسپاں کیجیے اور
۱۵ فروری ۲۰۲۰ تک بھجوا دیجیے۔

ہمدرد فری موبائل ڈسپنسری

ہمدرد فری موبائل ڈسپنسری ہمدرد فاؤنڈیشن کے فلاحی کاموں کا ایک حصہ ہے۔ ہر مہینے پورے پاکستان میں ہزاروں مریضوں کا مفت طبی معائنہ کرنے کے بعد مفت ادویات بھی دی جاتی ہیں۔ یہ فری موبائل ڈسپنسریاں کراچی، لاہور، ملتان، بہاول پور، فیصل آباد، سرگودھا، راولپنڈی، پشاور، کوئٹہ، سکھر، حیدرآباد اور آزاد کشمیر میں مستحق مریضوں کے لیے مخصوص ہیں۔

کراچی کے لیے چھے گاڑیاں درجِ ذیل علاقوں میں خدمت پر مامور ہیں

غازی آباد، گلشن بہار، اورنگی نمبر 13، قائم خانی کالونی، بلدیہ ٹاؤن، نیو کراچی سیکٹر D-11، سیکٹر F-11، نئی آبادی، یوسف گوٹھ، لیاری ایکسپریس وے، خدا کی بستی، کورنگی نمبر 2، کورنگی سو کوارٹرز، کورنگی نمبر 4، ونگی گوٹھ، محمود آباد، عمر گوٹھ، ایوب گوٹھ، مدرسہ انوارالایمان، سلطان آباد، مدرسہ منبع العلوم، وھیل کالونی، اکبر گراؤنڈ، مہاجر کیمپ، بلدیہ ٹاؤن نمبر 3، شفیع محلّہ (لال مسجد)، نور شاہ محلّہ، مواچھ گوٹھ، بلدیہ ٹاؤن نمبر 7، مشرف کالونی بلاک سی، ایف، ای اور اے روڈ، لیاقت آباد پیلی کوٹھی، کوثر نیازی کالونی، مجید کالونی اور ملیر۔

اہم چیز

جاوید بسام

وہ ایک ادیب کا کمرا تھا۔ ویسا ہی جیسا ایک ادیب کے کمرے کو ہونا چاہیے۔ ہر طرف الماریاں تھیں، جن میں کتابیں اور رسالے بھرے تھے۔ ایک لکھنے کی میز تھی، جس پر کاغذوں کے پلندے اور کہانیوں کے مسودے دھرے تھے۔ دائیں دیوار کے ساتھ ایک سوفا رکھا تھا۔ جب وہ کرسی پر بیٹھے بیٹھے تھک جاتا تو سوفے پر بیٹھ کر لکھنے لگتا۔ ایک دیوار پر کیلنڈر لگا تھا۔ جس پر گھنے جنگل میں

جاتا راستہ نظر آ رہا تھا۔ میز پر جہاں کچھ پرانی کتابیں رکھی تھیں۔ وہاں پیتل کا ایک قلم دان بھی موجود تھا۔ اس میں ایک بہت خوب صورت قلم اٹکا رہتا تھا۔ ادیب ہمیشہ اسی قلم سے لکھتا، حال آں کہ داز میں اور بھی قلم موجود تھے۔ ایک طرف ریت گھڑی رکھی تھی، اگر چہ جدید گھڑیاں آ چکی تھیں، مگر وہ پرانی چیزوں کا شوقین تھا اور وقت کا اندازہ اسی سے لگاتا تھا۔ دیوار پر لگے ریک پر ایک بادبانی جہاز کا ماڈل بھی رکھا رہتا تھا۔ بظاہر اس کا وہاں کوئی کام نہ تھا، مگر نہ جانے کیوں ادیب نے وہاں رکھا ہوا تھا۔

ادیب اپنے کام سے فارغ ہوکر روزانہ دوپہر کے بعد وہاں آتا، کرسی پر بیٹھتا، کاغذ آگے رکھتا اور قلم ہاتھ میں لے کر سوچ میں ڈوب جاتا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ اپنی نئی کہانی کو ذہن میں ترتیب دے رہا ہے۔ پھر کچھ دیر بعد وہ قلم چلانے لگتا۔ یہ اس کا روز کا معمول تھا۔ وہ شام تک وہاں رہتا پھر ٹہلنے نکل جاتا۔

ایک دن جب کمرا خالی تھا۔ قلم، ریت گھڑی اور بادبانی جہاز آپس میں باتیں کرنے لگے۔

قلم بولا: ''اس کمرے میں سب سے اہم چیز میں ہوں۔ میرے بغیر وہ کچھ نہیں لکھ سکتا۔''

ریت گھڑی نے حیرت سے اسے دیکھا اور کہا: ''اتنا غرور اچھا نہیں، اگر تم نہ ہوتو وہ کسی دوسرے قلم سے بھی لکھ سکتا ہے۔''

''میرا خیال ہے، یہاں رکھی ہر چیز کی اہمیت ہے، ورنہ وہ یہاں نہیں ہوتی۔'' بادبانی جہاز نے باتوں میں حصہ لیتے ہوئے کہا۔

قلم غصے سے بولا: ''مجھے تو تمھارا یہاں کوئی مصرف نظر نہیں آتا۔ دیکھنا کسی دن وہ تمھیں اُٹھا کر کوڑے دان میں ڈال دے گا۔''

بادبانی جہاز طنزیہ انداز میں مسکرا کر بولا: ''پرانی کہاوت ہے ''گدھا کیا جانے زعفران کا مزہ''

تمھیں نہیں پتا میں آرٹ کا ایک شاہکار ہوں۔ مجھے ایک فن کار نے بڑی محنت سے تیار کیا تھا اور ادیب نے بھاری قیمت ادا کر کے مجھے خریدا تھا۔''

''اور میں کئی بازاروں میں ڈھونڈنے کے بعد اسے ملی تھی۔'' ریت گھڑی بولی۔

''مگر تم دونوں اس کے کسی کام نہیں آتے۔ کام صرف میں آتا ہوں۔ تم تو بس یوں ہی رکھے رہتے ہو۔'' قلم نے کہا۔

ریت گھڑی ناگواری سے بولی: ''میں بھی کام آتی ہوں۔ گھر میں اور گھڑیاں بھی ہیں، مگر وہ وقت ہمیشہ میرے چہرے پر دیکھتا ہے۔''

بادبانی جہاز نے اعتماد سے کہا: ''تم نہیں جانتے، جب وہ لکھتے ہوئے کہیں اٹک جاتا ہے تو اس کی نظریں مجھ پر ٹک جاتی ہیں۔ جس سے اسے نئے خیالات آتے ہیں اس نے اپنی اکثر کہانیوں میں میرا ذکر کیا ہے۔''

''اونہہ، میں نہیں مانتا۔ سب سے زیادہ اہمیت میری ہے۔ میں اگر نہ ہوں تو وہ لکھے بھی نہیں۔'' قلم غرور سے بولا۔

''یہ تمھاری خام خیالی ہے۔ ہم بھی اہمیت رکھتے ہیں۔'' ریت گھڑی بولی۔

''اچھا، ایسی بات ہے تو ہاتھ کنگن کو آرسی کیا، ایسا کرتے ہیں۔ ہم کچھ کچھ دیر کے لیے غائب ہو جاتے ہیں معلوم ہو جائے گا کہ کس کے بغیر کام رکتا ہے اور کس کے بغیر نہیں۔'' قلم بولا۔

ریت گھڑی اور بادبانی جہاز فوراً راضی ہو گئے۔

کچھ دیر بعد جب ادیب کمرے میں آتا تو قلم اپنی جگہ سے غائب تھا۔ ادیب کرسی پر بیٹھا، کاغذ آگے رکھا اور ہاتھ بڑھا کر قلم اُٹھانا چاہا تو قلم دان خالی تھا۔ اس نے اِدھر اُدھر دیکھا، کتابوں کو اَلٹا پلٹا، مگر قلم نہیں ملا۔ اس نے میز کے نیچے نظر دوڑائی، لیکن وہ وہاں بھی نہیں تھا۔ اس نے دراز

کھولی وہاں کئی قلم موجود تھے۔اس کا ہاتھ انھیں اُٹھانے کے لیے بڑھا،مگر پھر وہ رک گیا اور ڈھیلے ڈھالے انداز میں کرسی کی پشت سے ٹک کر سوچ میں گم ہو گیا۔

کچھ دیر یوں ہی گزر گئی، پھر وہ چونک کر اُٹھا۔ٹوپی جھاڑ کر سر پر جمائی اور گھر سے باہر نکل گیا۔اس کا رخ شمال کی طرف تھا۔ جہاں درختوں کی طویل قطاریں تھیں۔آج وہ چہل قدمی کے لیے جلدی چلا گیا تھا۔کچھ دیر بعد قلم واپس آ گیا۔وہ خوشی سے چہکتے ہوئے بولا:''دیکھا تم لوگوں نے آج اس نے کچھ بھی نہیں لکھا، کیوں کہ میں موجود نہ تھا۔''

وہ دونوں بولے:''اتنا خوش مت ہو۔ابھی ہماری باری باقی ہے۔''

''پروا نہیں، مجھے معلوم ہے تم لوگ اس کے لیے اتنے اہم نہیں ہو۔'' یہ کہہ کر قلم نے قہقہہ لگایا۔پھر وہ ساری رات خوشی سے گاتا رہا۔

اگلے دن ریت گھڑی کی باری تھی۔ جب ادیب کمرے میں آیا تو وہ غائب ہو چکی تھی۔اس نے کاغذ قلم سنبھالا اور سوچ میں ڈوب گیا۔ پھر اس کی نظر اس سمت میں گئی جہاں ریت گھڑی رکھی تھی۔وہ جگہ خالی تھی۔وہ حیرانی سے اس جگہ کو تکنے لگا پھر کمرے میں اِدھر اُدھر نظریں دوڑائیں، مگر گھڑی کہیں نہیں تھیں۔وہ دروازے کی طرف منھ کر بولا:''میری ریت گھڑی کہاں گئی؟''

اندر کہیں سے اس کو نک چڑی بیوی کی آواز آئی:''ہمیں نہیں پتا کہاں گئی۔''

اس نے اپنا سر کھجایا اور سادہ کاغذ پر نظریں گاڑھ دیں۔وہ اُنگلیوں میں قلم کو گھما رہا تھا۔کچھ دیر وہ اسی طرح بیٹھا رہا پھر اُٹھا اپنی ٹوپی جھاڑ کر سر پر جمائی اور باہر نکل گیا۔اس کا رخ شمال کی طرف تھا۔اس دن بھی وہ کچھ نہیں لکھ سکا تھا۔ کچھ دیر بعد ریت گھڑی واپس آ گئی۔وہ خوشی سے سرشار تھی۔وہ بولی:''لو دیکھو میری بھی اہمیت ہے۔وہ آج بھی کچھ نہیں لکھ پایا۔''

قلم کا منھ ٹیڑھا ہو گیا۔اس رات ریت گھڑی بہت خوش تھی۔اس کی باریک ریت اوپر کے حصے

سے گنگناتی ہوئی نیچے گرتی رہی۔

تیسرے دن بادبانی جہاز کی باری آئی۔ ادیب کمرے میں آیا تو وہ غائب ہو چکا تھا۔ اس نے حیران ہو کر پورے کمرے میں ڈھونڈا، مگر وہ نہیں ملا۔ وہ دروازے میں چلا آیا اور پکارا: ''آج میرا بادبانی جہاز غائب ہے، روز میری کوئی نہ کوئی چیز غائب ہو جاتی ہے۔ آخر ایسا کیوں ہو رہا ہے؟''

اس کی نک چڑی بیوی کی آواز آئی: ''ہمیں نہیں پتا۔''

وہ واپس پلٹا اور کاغذ قلم سنبھال کر بیٹھ گیا۔ کچھ وقت یوں ہی گزر گیا پھر وہ اپنی ٹوپی جھاڑ کر سر پر جمائی اور گھر سے باہر نکل گیا آج بھی وہ چہل قدمی کے لیے جلدی چلا گیا تھا۔ کچھ دیر بعد بادبانی جہاز واپس آ گیا۔ وہ ہنس رہا تھا۔ اس کی ہنسی پانی میں ہچکولے کھاتے جہاز کی جلترنگ جیسی تھی۔

ریت گھڑی بولی: ''لو ثابت ہو گیا۔ ہم تینوں اس کے لیے اہمیت رکھتے ہیں۔''

قلم نے ایک بار پھر منھ بنا لیا اور چپ سادھ لی۔ اس کے پاس بولنے کے لیے اب کچھ نہیں بچا تھا۔

اگلے دن سب چیزیں اپنی جگہ موجود تھیں۔ ادیب حسبِ معمول کمرے میں آیا اور کرسی پر بیٹھ گیا۔ وہ سوچ میں گم تھا۔ پہلے کچھ دیر تک وہ قلم کو ٹکٹکی باندھے دیکھتا رہا، پھر اس نے ریت گھڑی کو اُٹھایا اور غور سے اس کی گرتی ریت کو تکنے لگا پھر اسے رکھ کر ادیب کی سوچتی نظریں بادبانی جہاز پر جم گئیں۔ وہ آگے جھکا اور اسے اپنی آنکھوں کے قریب لے آیا۔ کچھ دیر وہ دیکھتا رہا۔

پھر اس کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔ اسے ایک انوکھی کہانی کا خیال سوجھ گیا تھا جو ان تینوں کے گرد گھومتی تھی۔ اس نے قلم اُٹھایا اور کہانی لکھنی شروع کر دی۔ یہ کہانی جو آپ پڑھ رہے ہیں، وہ ہی تو نہیں ہے؟

یہ کون ہے جو ایتھنز کی تاریکی میں ایک چراغ کی مانند ہے

نام بوجھیے

سلیم فرخی

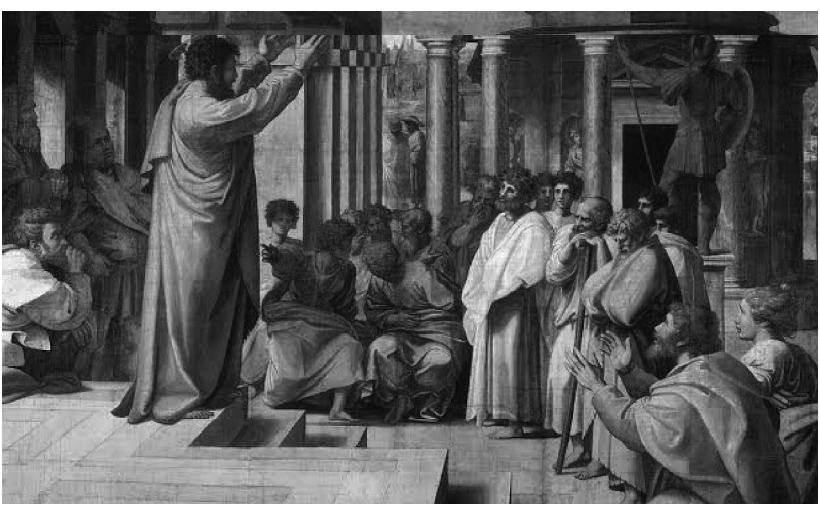

یونان کی سب سے ترقی یافتہ ریاست ایتھنز علم وادب، آرٹ، فلسفہ، مذہب، شاعری کا گہوارہ تھی۔ یہ شہر چھوٹی بڑی گلیوں اور مختلف بازاروں پر مشتمل تھا۔ میں اسی شہر کے ایک قصبے ''ایلوپیک'' میں، حضرت عیسیٰ کی پیدائش سے ۴۶۹ سال پہلے پیدا ہوا۔ میرے والد ''سرفرونکس'' مجسمے بناتے تھے اور میری والدہ ''فینا ریٹی'' دایہ تھیں۔ میں ایتھنز کا سب سے بدصورت لڑکا مانا جاتا تھا۔ رنگ کالا، سر بڑا، ہونٹ موٹے، ناک چپٹی اور آنکھیں مینڈک کی طرح باہر نکلی ہوئی تھیں۔ اسکول جانے لگا تو لڑکے مینڈک کہہ کر چڑانے لگے۔ تنگ آ کر میں نے تیرہ چودہ سال کی عمر میں اسکول چھوڑ دیا۔ اس وقت شہر کی آبادی

چار لاکھ تھی۔ان میں ڈھائی لاکھ تو غلام اور لونڈیاں تھیں باقی ڈیڑھ لاکھ شہری تھے۔عدلیہ چار ہزار ارکان پر مشتمل تھی۔شہر کے تمام لوگ ایک دوسرے کو جانتے تھے۔یہاں کا ہر شخص باتونی تھا۔لوگ صبح کو بازاروں میں، دوپہر کو ورزش گاہوں میں اور شام کو دعوتوں اور تفریح گاہوں میں کھیل، سیاست، موسم اور جنگ و امن کے موضوعات پر باتیں کرتے۔ایتھنز والے زیتون کو مقدس مانتے ہیں۔اولمپک مقابلوں میں کھلاڑی زیتون کا تیل بدن پر ملنا اچھا شگون سمجھتے تھے۔

اسکول چھوڑنے کے بعد میں کسی اکیڈمی میں نہیں گیا، نہ میرا کوئی استاد تھا۔میں خود ہی چیزوں کا مشاہدہ کرتا اور میرے ذہن میں سوال اُبھرتے تو میں لوگوں سے پوچھتا، سوال در سوال کرتا۔ذہن میں ہر ایک چیز کی وجہ، اس کی ابتدا و انتہا جاننے کی لگن تھی۔ایک کاہنہ نے پیش گوئی کرتے ہوئے مجھ سے کہا تھا کہ تم ایتھنز کے سب سے بڑے دانا بنو گے۔اس وقت مجھے یہ بات ناممکن لگی۔میں نے سوچا کہ اس بات کی سچائی کو آزمانا چاہیے۔اس خیال کے تحت میں نے اپنی عقل و فہم اور ادراک کو جانچنے کا فیصلہ کیا۔تاکہ معلوم ہو کہ کاہنہ نے درست کہا ہے یا یہ اس کی اپنی سوچ ہے۔اب میں نے ایتھنز کے ہر چھوٹے بڑے داناؤں کے پاس جانا شروع کر دیا۔ان سے ہر موضوع پر بحث کرتا۔مثلاً کائنات کیا ہے؟ کیسے بنی؟ کس نے بنائی؟ کیوں بنائی؟ روح کیا ہے؟ کہاں سے آتی ہے اور کہاں چلی جاتی ہے؟ خیالات کہاں سے آتے ہیں؟ روحانی طاقت کیا ہے؟ رفتہ رفتہ میں نے اپنی منزل کو پالیا۔

شہر سے کچھ ہی دور ایک بلند مقام پر ایک پہاڑی تھی جو دنیا کی چھت کے نام سے مشہور تھی اور مقدس مانی جاتی تھی۔یہ پہاڑی سمندر کے کنارے تھی۔یہاں سے لوگ سمندر کے راستے دنیا کے مختلف ممالک آتے جاتے تھے۔میں بھی روز اس پہاڑی پر پہنچ جاتا اور مختلف علاقوں سے آنے والے لوگوں سے گفتگو کے ذریعے اپنی معلومات بڑھاتا تھا۔اسی پہاڑی پر ایک مرتبہ تقریر کرتے ہوئے میں نے ایک جملہ کہا تھا جو تاریخ کا لافانی حصہ بن گیا: ''حسد اور خوف دنیا میں فساد پیدا کرتا ہے۔'' یہ بات جلد ہی حقیقت بن گئی۔قریب کی دوسری ریاست سپارٹا نے محض حسد اور خوف کی وجہ سے ایتھنز پر حملہ کر دیا۔حسد کی وجہ یہ تھی کہ سپارٹا والوں کا کہنا تھا کہ ایتھنز والے سپارٹا کو جاہلوں، گنواروں کا شہر سمجھتے ہیں اور خود کو

اعلا تعلیم یافتہ قرار دیتے ہیں۔خوف اس وجہ سے تھا کہ اگر ایتھنز کے لوگ طاقت پکڑ گئے تو سپارٹا کو غلام بنالیں گے۔حال آں کہ سپارٹا اس وقت فوجی قوت کا مالک تھا اور ایتھنز علم و ادب میں شہرت رکھتا تھا۔ فوجی معاملات میں اس کی دل چسپی کم تھی۔نتیجہ یہ ہوا کہ سپارٹا نے ایتھنز کو جنگ میں شکست دے دی۔

یونان کے قانون کے مطابق ہر آدمی کو ایک خاص عمر کے بعد فوج میں شامل ہونا پڑتا تھا۔ میں نے بھی تین مرتبہ جنگوں میں حصہ لیا۔ایک جنگ میں شکست کے بعد سب فوجی پیچھے ہٹ رہے تھے،اس وقت بھی میں اپنے محاذ پر ڈٹا ہوا تھا۔بعد میں لوگوں نے کہا اگر ہر فوجی میری طرح بے جگری سے لڑتا تو ایتھنز کو شکست نہ ہوتی۔

اڑتیس سال کی عمر کے بعد میں نے ایک دانش گاہ قائم کر لی اور اپنے دوستوں،شاگردوں اور دوسرے لوگوں سے وہیں ملاقات کرتا تھا۔میں بہت وضع دار انسان تھا۔خلوص اور انکسار میرے مزاج کا حصہ تھا۔ دوستوں کا انتہائی قدر داں اور مہمان نواز تھا۔ مجھ میں حسِ مزاح بھی تھی اور ذہانت بھی۔ان انسانی خوبیوں کے یک جا ہونے سے میری شخصیت بہت دل نشیں اور دل کش ہوگئی تھی۔میں نے ایتھنز کے دوسرے عالموں کی طرح خود کو کبھی تکبر میں مبتلا نہیں کیا۔غرور مجھ میں بالکل نہیں تھا۔میرے خیالات اتنے حسین تھے کہ لوگ نہ چاہتے ہوئے بھی میرے سحر میں گرفتار ہوجاتے اور چند منٹ بات کرنا اپنے لیے باعثِ عزت سمجھتے تھے۔میری مدلّل گفتگو سے بڑے بڑے دانا لاجواب ہوجاتے تھے۔میری عقل وفہم اور دانائی کے قصے عام ہو چکے تھے۔میری شہرت اور نیک نامی سے دیوتاؤں کے ماننے والوں کی نیندیں اُڑ گئی تھیں،کیوں کہ میں یونان کا پہلا آدمی تھا جس نے لوگوں کو خدائے واحد کا تصور دیا تھا اور ان کے خداؤں کو باطل قرار دیا تھا۔میری تعلیمات دیوتاؤں کی غلامی نہیں،ایک خدا اور انسانیت کا پیغام تھیں۔اس کی وجہ سے مذہب کے ٹھیکے داروں کی بادشاہی خطرے میں پڑ گئی تھی۔جس تیزی سے میری مقبولیت میں اضافہ ہو رہا تھا،اتنی تیزی سے پروہت،جن کا کام مذہب کے نام پر لوگوں کو بے وقوف بنا کر چندہ جمع کرنا تھا،ان سب نے مل کر میرے خلاف محاذ بنالیا۔

میری تعلیم کا جادو ایتھنز کو اپنے حصار میں لے رہا تھا۔لوگوں کو میرے اَن دیکھے خدا پر یقین ہوتا جا رہا

تھا۔ یہ کاہنوں اور حکمرانوں کے لیے خطرے کی گھنٹی تھی، کیوں کہ میں نے حکومت پر بھی تنقید کی تھی اور کہا تھا کہ اسمبلی احمقوں، ترکھانوں، لوہاروں، دکان داروں اور منافع خوروں پر مشتمل ہے، جو ہر وقت سوچتے رہتے ہیں کہ سستی چیز مہنگے داموں کیسے بیچی جائے۔ یہ وہ لوگ ہیں، جنھوں نے عوام کے مسائل کے بارے میں کبھی نہیں سوچا۔ اس طرح مذہبی لوگوں نے حکومت کے ساتھ مل کر میرے خلاف جال بننا شروع کر دیا۔ آخر سیاسی اور مذہبی ٹھگوں کی ملت بھگت سے وہ میرے خلاف تین الزامات لگانے میں کام ہو گئے:

۱۔ وہ ہمارے معروف دیوتاؤں کو ماننے سے انکار کرتا ہے۔

۲۔ ایک نئے الگ خدا کا تصور پیش کرتا ہے جسے کسی نے نہیں دیکھا۔

۳۔ ہمارے نوجوانوں کو گمراہ کر رہا ہے۔

مجھ پر سب سے بڑا الزام یہی تھا۔ میرے زیادہ تر مداح نوجوان ہی تھے۔ روائتی دیوتاؤں پر اعتراضات کی عادت میں نہ چھوڑ سکا۔ ایتھنز کی اسمبلی کے فیصلوں پر بے خوفی سے تنقید کرتا اور ان قوانین کو للکارتا تھا جو انسانی حقوق کے خلاف تھے۔ مجھے عدالت طلب کر لیا گیا۔ مقدمہ مجھ پر ایک شاعر ''میلی ٹس'' نے کیا تھا۔ ججوں کے علاوہ پانچ سو ممبران کی جیوری بنائی گئی تھی۔ پورا ایتھنز یہ مقدمہ سننے کے لیے عدالت میں موجود تھا۔ میری بیوی ''زین تھپی'' بھی آئی تھی، جو میرے خیالات سے متفق نہیں تھی اور اکثر کہا کرتی تھی کہ یہ جب بھی گھر آتا ہے، سودا سلف لے کر نہیں، بدنامی لے کر آتا ہے۔ میں نے عدالت میں بڑے سکون اور تحمل سے اپنے اوپر لگے ہوئے الزامات کو بے نقاب کیا اور کہا: ''میں حاسدوں اور کم عقل لوگوں میں گھر گیا ہوں، جو میری بات سننے اور سمجھنے کو تیار نہیں۔ میں موت سے نہیں ڈرتا۔ مر کر میں دوسرے جہاں میں پہنچ جاؤں گا، انصاف مجھے وہیں ملے گا، جو یہاں نہیں مل رہا ہے۔''

ایک جھوٹے گواہ کے بیان کی بنیاد پر جیوری کی بھاری اکثریت نے مجھے مجرم قرار دیا۔ فیصلے کے مطابق مجھے دو سزاؤں میں سے ایک قبول کرنی تھی۔ پہلی یہ کہ ملک چھوڑ کر کہیں چلا جاؤں یا موت کو قبول کر لوں۔ میں نے کہا، سچا آدمی ذلت کی زندگی سے عزت کی موت پسند کرتا ہے۔ میں نے موت کو گلے لگانے کا فیصلہ کر لیا۔ میں جیل میں بند تھا۔ اس دوران بھی میرے دوست اور شاگرد میری باتیں سننے

آتے ،جن میں نیکی ، خیر، زندگی اور موت پر روشنی ڈالی جاتی۔میرے مال دار شاگردوں نے جیل کے داروغہ کو رشوت دے کر میرے فرار ہونے کی مکمل تیاری کر لی کہ میں کسی دوسری ریاست میں چلا جاؤں، جہاں ایتھنز کا قانون لاگو نہ ہوتا ہو۔شاگردوں نے بہت زور دیا،لیکن میں رضا مند نہ ہوا۔ میں نے انھیں سمجھایا کہ اگر آج میں جان بچا کر بھاگ گیا تو ایک دن خاموشی سے مرجاؤں گا اور اگر یہاں مر گیا تو قیامت تک زندہ رہوں گا۔موت میرے جسم کو فنا کر سکتی ہے،لیکن میری روح کو یہ لوگ نہیں مار سکتے۔
اور ایسا ہی ہوا۔میرے خیالات اور میرا علم صدیوں سے نسل در نسل منتقل ہوتا رہا اور ایسا ہوتا رہے گا۔ مجھے مارنے والے تاریخ کے اوراق میں گُم ہو گئے،لیکن میرا نام آج بھی روشن ہے اور رہے گا۔
میں نے دو شادیاں کی تھیں۔ پہلی خاتون کا تعلق اس معزز خاندان سے تھا، جس کی ایتھنز میں بڑی حیثیت تھی۔اس خاتون کا نام ''میرٹو'' تھا۔ ایتھنز میں ایک بار طاعون کی وبا پھیلی جس میں میرٹو چل بسی۔ میں نے دوسری شادی ۵۰ سال کی عمر میں کی۔ یہ دوسری خاتون مزاج کی بہت تیز، غصیلی اور منھ پھٹ تھی۔اس نے مجھ سے کبھی سیدھے منھ بات نہیں کی،لیکن میں اس کی جلی کٹی باتیں سن کر ہمیشہ ہنس دیا کرتا تھا۔اس خاتون کا نام ''زین تھپی'' تھا۔اس نے مجھے تین بیٹے اور بے شمار گالیاں دیں۔ایک بار کسی دوست نے مجھ سے پوچھا کہ اس قدر بدزبان اور تند مزاج بیوی کے ساتھ کیسے گزارہ ہوتا ہے؟
میں نے جواب دیا کہ صبر اور برداشت سے۔اگر میرا گزارہ زین تھپی کے ساتھ ہو سکتا ہے تو میں سب کے ساتھ نباہ کر سکتا ہوں۔
میں نے کہا تھا کہ جسم کی حفاظت سے کہیں بڑھ کر اپنی روح کی حفاظت کرنی چاہیے جو نیکی اور اچھے کاموں سے ہوتی ہے۔کائنات میں ایک ایسی ہستی موجود ہے جو کائنات کے ہر ذرے کو دیکھ سکتی ہے اور جس کی رحمت و شفقت کی کوئی حد نہیں۔ ہمارا کوئی کام اس سے پوشیدہ نہیں ہے۔انسان آخرت میں اپنے اعمال کا جواب دہ ہے۔موت ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقلی کا نام ہے۔نیک لوگوں کے لیے دوسری دنیا ایک نعمت ہے۔ ہر شخص فطرتاً اپنے لیے خیر چاہتا ہے،لیکن علم نہ ہونے کی وجہ سے شر کر خیر سمجھ لیتا ہے، لہٰذا سب سے پہلے جہالت کو دور کرنا چاہیے۔ بدصورت لوگ اپنی بدصورتی کو نیکیوں سے دور کریں اور

خوب صورت لوگ اپنی خوب صورتی پر بُرائیوں کے دھبے نہ پڑنے دیں۔ جوانی میں آدھا خرچ کرو، آدھا بڑھاپے کے لیے بچاؤ۔

ایک یونانی شاعر نے میرے بارے میں ایک شعر کہا تھا جس کا مفہوم یہ ہے کہ تمام ایتھنز سیاہ رات کی طرح تاریک ہے اور میری مثال اس میں ایک چراغ کی سی ہے۔

•••••••••••••••••••••••••••••••••

شمارہ دسمبر ۲۰۱۹ء میں آپ کی ملاقات اردو کے مشہور ادیب، میرزا ادیب سے کرائی گئی تھی۔ درجِ ذیل نونہالوں نے شخصیت کا نام بوجھ لیا ہے:

☆ کراچی: فاطمہ توقیر، ماہم طارق، ہما ساجد خان، عبیرہ انصاری، مسفرہ ناز، سید عفان احمد، نبیحہ خان، ہدیٰ ملک، اریبہ نصیر انصاری، احتشام الدین، حُر بن اشعر، ناعمہ تحریم، محمد طیب صدیقی، سحرش علی بیلا، علینہ اختر، عبیرہ طیب خان، زینب ناز سلطان، محمد احمد اسلم، وردہ مصطفیٰ، محمد عباس شیخ، حافظہ حور لائبہ خداداد ☆ میر پور خاص: اسما خان ☆ اسلام آباد: فرحین انور، اشتیاق سرور اعوان ☆ راولپنڈی: عبداللہ شاہد، محمد حسن عباس، محمد عمار، ملک محمد احسن، ملک شازر احمد ☆ ڈیرہ نواب صاحب: مصباح آصف، علشبہ آصف ☆ اوڈیرو لال اسٹیشن: شبیر جان بہلم پٹھان، تیمور جان بہلم پٹھان ☆ حیدرآباد: سید محمد حسین شاہ، عمار خالد، عائشہ ایمن عبداللہ ☆ لاہور: عکرمہ ضیا ☆ اوکاڑہ کینٹ: عروسہ تنزیل ☆ بہاول پور: ایمن فاطمہ اقبال ☆ پرانا سکھر: محمد حسیب ☆ ٹیکسلا: روبائینہ سرور ☆ سرگودھا: ملیحہ ایمان ☆ تلہ گنگ: محمد حسان عبداللہ ☆ ٹوبہ ٹیک سنگھ: سعدیہ کوثر مغل ☆ ڈیرہ غازی خان: رفیق احمد ناز ☆ مظفر گڑھ: احمد خان لغاری ☆ ٹنڈو جام ☆ امیر معاویہ ☆ اوباڑو: ملک شیخ ☆ ایبٹ آباد: ثانیہ اعجاز ☆ شیر شاہ کالونی: عائشہ ☆ صادق آباد: تماضر ساجد ☆ کالا گجراں: محمد سعید ☆ میر پور آزاد کشمیر: اصبح احمد ☆ فیصل آباد: زینب محمود نور۔

انعام یافتہ نونہال: - محمد اُسامہ رفیق (کراچی) - زبیر احمد عزیز (میر پور خاص)
- قمر الزماں (خوشاب)

درخت لگایئے

درخت ہمارے محسن ہیں

ہمیں دھوپ سے بچا کر سایہ فراہم کرتے ہیں

ہمیں پھل، پھول، پتوں اور جڑوں کی صورت میں غذائیں اور دوائیں دیتے ہیں

ہماری فضا کو آلودہ ہونے سے بچاتے ہیں

زندہ رہنے کے لیے آکسیجن فراہم کرتے ہیں

ان کی شاخوں پر پرندے بسیرا کرتے ہیں

درختوں کی لکڑی ہمیں فرنیچر فراہم کرتی ہے

درختوں کی جڑیں زمین کو استحکام دیتی ہیں

درختوں کی موجودگی اچھے موسموں کی ضمانت ہے

سوچیے .... درخت نہ ہوتے تو ہم کتنی نعمتوں سے محروم ہو جاتے

آئیں درختوں کا احسان چکائیں، ایک پودا لگائیں، اس کی حفاظت کریں، اس کی آبیاری کریں یہاں تک کہ وہ ایک تناور درخت بن جائے

کل کسی نے ہمارے لیے بھی تو پودا لگایا تھا ناں!! (ادارہ)

نونہال ادیب

نونہال قلم کاروں کی تحریریں جو اُنہیں آگے چل کر یاد دلائیں گی کہ اُنھوں نے لکھنے کا آغاز کیسے کیا تھا

- شمیم اسلم چوہان، کراچی
- آمنہ ظفر، کراچی
- تسبیح محفوظ علی، کراچی
- محمد حسیب عباسی، سکھر
- رامحمد خرم رفیق پریاڑ، بہاول پور
- ارفع زینب چشتی، ڈیرہ غازی خان
- اُسید الرحمٰن، کراچی
- محمد سعد اسد، تونسہ شریف

حمد

مرسلہ: شمیم اسلم چوہان، کراچی

میرے اللہ ، میرے مالک
میرے خالق ، میرے رازق
پَل میں تُو نے جگہ کو بنایا
دنیا کو پھر اس میں بسایا
نیل گگن پہ عرش بنایا
اس دھرتی پہ فرش بنایا
آسماں کو تاروں سے سجایا
دھرتی کو پھر خوب سجایا
انسان کو اشرف بنایا
نیکی بدی کا رستہ بتایا
پیارے نبیؐ کو ہم میں اُتارا
سیدھا سچا رستہ بتایا
وہ رب ہوگا کتنا پیارا
جس نے پیار ہی پیار اُتارا

کیسا بڑا آدمی

تسبیح محفوظ علی، کراچی

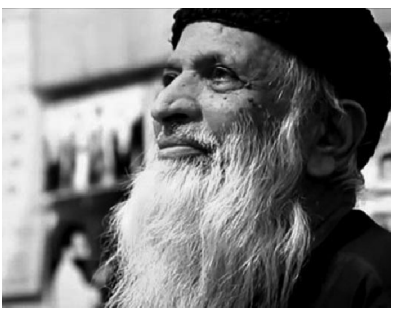

نہایت عظیم ہوتے ہیں وہ لوگ جن کا مقصدِ زندگی صرف اور صرف خلقِ خدا کی خدمت ، فلاح اور بھلائی ہوتا ہے۔ بہت عظمت والی ہے وہ قوم جو انتہائی عظیم لوگ پیدا کرتی ہے۔ یہ لوگ زبان، ذات، قبیلے، علاقے اور مذہب کا فرق کیے بغیر ہر ایک سے محبت ، ہر ایک کی خدمت کرنے کے لیے اپنی توانایاں صرف کر دیتے ہیں۔ یہ لوگ چمکتے ستاروں کی مانند قوم کے لیے مشعلِ راہ بن جاتے ہیں۔ ہمارے وطنِ عزیز کی ایسی ہی ایک ہستی کا نام عبدالستار ایدھی

ہے۔عبدالستار ایدھی ۱۸۲۸ء میں ہندوستان کی ریاست گجرات کے ایک گاؤں بانٹوا میں پیدا ہوئے۔ ان کے والدِ گرامی عبدالشکور ایدھی کپڑے کا معمولی سا کاروبار کرتے تھے۔غربت کی وجہ سے عبدالستار ایدھی زیادہ نہ پڑھ سکے۔ آپ کو بچپن میں دو پیسے خرچ کے لیے ملتے تھے۔ ایک پیسہ وہ خود خرچ کرتے تھے اور ایک پیسہ کسی ضرورت مند کو دیتے تھے۔ جب وہ اُنیس برس کے ہوئے تو والدہ اللہ تعالیٰ کو پیاری ہوگئیں۔ قیامِ پاکستان کے بعد ۴ ستمبر ۱۹۴۷ء کو خاندان کے ساتھ ہجرت کر کے پاکستان آ گئے اور کراچی میں سکونت اختیار کر لی۔ ۱۹۴۸ء میں میٹھادر میں لوگوں کی خدمت کرنے کی لگن کے تحت ''بانٹوا میمن ڈسپنسری'' میں کام کرنے لگے۔ پاکستان کے شمالی علاقے بشام میں ۱۹۷۲ء میں شدید زلزلہ آیا تو کراچی سے ایمبولنس لے کر زلزلہ زدگان کی مدد کے لیے پہنچ گئے۔

آپ کی طبیعت میں سادگی انتہا درجے کی تھی۔ حد تو یہ ہے کہ زندگی بھر ایک ہی انداز کا لباس پہنا۔ ملیشیا یعنی کھدر کے کپڑے کا کرتا پاجامہ، جناح کیپ اور اسفنج کی چپلیں۔ ان کے پاس صرف تین جوڑے تھے۔ خوراک میں دال چاول کھانا پسند کرتے تھے۔

آپ کو بہت سے اعزازات ملے جن میں سے چند یہ ہیں:

۱۔ ۲۰۰۹ء میں یونیسکو کا ''خدمتِ انسانیت ایوارڈ۔

۲۔ ۱۹۹۲ء میں حکومت سندھ کا ''سماجی خدمت گزار برائے پاکستان ایوارڈ''

۳۔ جامعہ کراچی کی ڈاکٹریٹ کی اعزازی ڈگری۔

۴۔ حکومتِ پاکستان کا سب سے بڑا سول ''نشانِ امتیاز''

۵۔ ۱۹۹۷ء میں گنیز بک آف ورلڈ ریکارڈ میں ایدھی ایمبولنس کو دنیا کی سب سے بڑی ایمبولنس سروس کے طور پر شامل کیا گیا۔

۸ جولائی ۲۰۱۶ء کو یہ عظیم انسان اپنے مالکِ حقیقی سے جاملا۔ آپ کے انتقال پر سرکاری طور پر سوگ منایا گیا۔ آپ کا جسدِ خاکی آپ کے قائم کردہ ایدھی ولیج میں آپ کی وصیت کے مطابق سپردِ خاک کیا گیا۔

ایٹم بم سے انٹرویو

راامحمد خرم رفیق پریاڑ، بہاول پور

سوال: آپ کا نام؟
جواب: ایٹم بم۔
سوال: کس نام سے پکارا جانا اچھا لگتا ہے؟
جواب: دفاعی کے نام سے۔
سوال: تاریخ پیدائش؟
جواب: ۲۸ رمئی ۱۹۹۸ء
سوال: آپ کو اس مقام تک لانے کا سہرا؟
جواب: ڈاکٹر عبدالقدیر خان اور دوسرے معاون سائنس دان۔
سوال: آپ کے خاندان کے دوسرے ارکان؟
جواب: شاہین، غوری، حتف، وغیرہ۔
سوال: آپ کی زندگی کا مقصد؟
جواب: اہلِ پاکستان کی حفاظت کے لیے ہر وقت تیار رہنا۔
سوال: آپ کی شہرت کی وجہ؟
جواب: میرے وجود میں آنے پر پورے پاکستان میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔
سوال: آپ سے کون زیادہ محبت کرتا ہے؟
جواب: پاکستان کی عوام۔
سوال: آپ کی خوبی کیا ہے؟
جواب: میں نے دشمن ملکوں کو حملہ کرنے سے روک رکھا ہے۔
سوال: آپ کی پسندیدہ شخصیت؟
جواب: ڈاکٹر عبدالقدیر خان۔
سوال: کس بات پر دکھ ہوتا ہے؟
جواب: لوگوں کے آپس میں متحد نہ ہونے پر۔
سوال: آپ کی قیمتی اثاثہ؟
جواب: عالمِ تمام کی محبت۔
سوال: آپ کے مشاغل کیا ہیں؟
جواب: اسلام اور پاکستان کی حفاظت اور ترقی کے بارے میں سوچنا۔
سوال: کس سے نفرت ہے؟
جواب: ان سے جو امن کے دشمن ہیں۔
سوال: کوئی اور بات جو کہنا چاہیں؟
جواب: میں کوئی اچھی چیز نہیں دُعا کرو میرے استعمال کی نوبت کبھی نہ آئے۔

سب کے سب

اُسید الرحمٰن، کراچی

ایک شخص سڑک سے گزر رہا تھا۔ اچانک اس کی نظر پانچ ہزار کے نوٹ پر پڑی جو سڑک کی ایک طرف کھڑی گاڑی کے ٹائر کے نیچے دبا تھا۔ اس نے گاڑی کے آس پاس دیکھا کہ کوئی ہے تو نہیں، پھر گاڑی کے ٹائر کے پاس بیٹھ کر نوٹ نکالنے کی بہت کوشش کی، مگر نوٹ نہیں نکلا۔ اس نے گاڑی کا دروازہ کھولنے کی کوشش کی، مگر وہ لاک تھا۔ گاڑی کو دھکا لگانے کی کوشش کی، لیکن گاڑی ٹس سے مس نہ ہوئی۔

تھک ہار کر وہ سڑک پار کر کے سامنے ایک اوپن ائر کیفے میں بیٹھ گیا، جو کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ اس نے کرسی اس زاویہ پر رکھی کہ گاڑی پر نظر رہے۔

اچانک ایک فٹ بال اُچھلتی ہوئی ٹائر کے پاس آ کر رک گئی۔ وہ دھک دھک کرتے دل کے ساتھ کرسی پر پہلو بدلنے لگا۔ ایک لڑکا جس کی وہ فٹ بال تھی، آیا اس نے کک لگائی اور یہ جا وہ جا۔

اس کی جان میں جان آئی۔

پھر ایک خاتون گاڑی کے پاس آ کر رکیں۔ انھوں نے باسکٹ زمین پر رکھی اور پسینا صاف کرنے لگیں۔ اس شخص نے بے چینی سے اپنی اُنگلیاں چٹخانی شروع کر دیں، لیکن اس کے جانے کے بعد اس نے سکون کا سانس لیا ہی تھا کہ ایک جمعدار آ کر اس روڈ کی صفائی کرنے لگا۔ اس کا تو حال ہی بُرا ہو گیا کہ اب تو نوٹ ہاتھ سے گیا۔

لیکن خیر گزری جمعدار کی نظر بھی نوٹ پر نہ پڑی اور وہ اِدھر اُدھر جھاڑو مار کر چل پڑا۔

اچانک ایک شخص تیزی سے گاڑی کی چابی اُنگلی میں گھماتا آیا اور گاڑی کا دروازہ کھول کر بیٹھا اور روانہ ہو گیا۔

اس نے اِدھر اُدھر نظر ڈالتے ہوئے اُٹھا ہی تھا کہ کیفے میں بیٹھے تمام لوگ تیزی سے اُٹھے اور بھاگ کر وہاں پہنچ گئے، جہاں نوٹ پڑا تھا۔

اچانک بھگدڑ کی وجہ سے وہ لڑکھڑا کر گر پڑا اور اپنے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر وہیں بیٹھ گیا۔

دو اُستاد

آمنہ ظفر، کراچی

کسی تقریب میں کوئی صاحب اپنے ایک واقف کار بزرگ سے کافی عرصے بعد ملے اور پوچھا: ''جناب! کیا آپ نے مجھے پہچانا؟''

بزرگ نے غور سے دیکھا اور کہا: ''ہاں میں نے آپ کو پہچان لیا ہے۔ آپ پرائمری اسکول میں میرے شاگرد رہ چکے ہیں۔ کیا کر رہے ہیں آج کل؟''

شاگرد نے جواب دیا ''میں بھی آپ کی طرح اسکول ٹیچر ہوں اور ٹیچر بننے کی یہ خواہش مجھ میں آپ ہی کی وجہ سے پیدا ہوئی۔''

اُستاد نے پوچھا: ''وہ کیسے؟''

شاگرد نے جواب دیا: ''آپ کو یاد ہے کہ ایک بار کلاس کے ایک لڑکے کی بہت خوب صورت گھڑی چوری ہوگئی تھی اور وہ گھڑی شرارت میں میں نے چرائی تھی۔ آپ نے پوری کلاس سے کہا تھا کہ جس نے بھی گھڑی چرائی ہے، واپس کردے۔ میں گھڑی واپس کرنا چاہتا تھا، لیکن شرمندگی سے بچنے کے لیے ایسا نہ کرسکا۔ آپ نے تمام طلبہ کو دیوار کی طرف منھ کر کے اور آنکھیں بند کر کے کھڑے ہونے کا حکم دیا، پھر سب کی جیبوں کی تلاشی لی اور میری جیب سے گھڑی نکال کر بھی سب کی تلاشی لی۔ بعد میں میرا نام لیے بغیر وہ گھڑی جس کی تھی، اسے دے دی۔ مجھے حیرت تھی کہ آپ نے میری اس حرکت پر مجھے شرمندہ نہ کیا۔ میں نے اسی دن سے اُستاد بننے کا تہیہ کرلیا تھا۔''

بزرگ مسکرائے اور کہا: ''اصل بات کچھ یوں ہے کہ تلاشی کے دوران میں نے بھی اپنی آنکھیں بند کرلی تھیں۔ مجھے بھی آج ہی پتا چلا ہے کہ وہ گھڑی آپ نے چرائی تھی۔''

کیا ہم ایسے کردار کے مالک بن سکتے ہیں جو اپنے اعمال سے دوسروں کو نیک جذبات کی ترغیب دے سکیں نہ کہ چھوٹی چھوٹی غلطیوں پر لوگوں کے سامنے انھیں شرمندہ کریں۔

ذرا سی لاپرواہی

ارفع زینب چشتی، ڈیرہ غازی خان

نادر صاحب ایسے علاقے میں رہتے تھے، جہاں پانی نہیں آتا تھا۔ ہر ہفتے ان کو اور ان کے محلے داروں کو پانی دینے کے لیے ایک ٹینکر آتا تھا۔ سب محلے دار اپنے اپنے کین بھر لیتے تھے، مگر ہوتا یوں کہ نادر صاحب اپنے کین کے ڈھکن اچھی طرح بند نہ کرتے۔ ایسا کرتے کرتے ان کا ایک آدھ ڈھکن گم ہو گیا۔

اتوار کا روز تھا۔ نادر صاحب اور ان کے بچے چھٹی کا مزہ لے رہے تھے۔ اس روز صبح ان کے گھر میں ناشتے کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ اچانک پانی کے ایک کین میں چھپکلی جا گری۔ کسی کو کچھ پتا نہیں تھا۔ نادر صاحب اپنے بڑے بیٹے علی سے بولے: ''علی! جاؤ کین سے ایک گلاس پانی بھر کے لاؤ۔''

''جی ابو!'' علی بولا۔ وہ پانی کا گلاس بھر کے لایا۔ نادر صاحب نے گلاس ہاتھ میں لیا اور پانی پینے لگے۔ کچھ ہی دیر میں نادر صاحب کی طبیعت بگڑنے لگی۔ علی نے جلدی سے ایمبولنس کو فون کیا۔ ۱۵ منٹ کے بعد ایمبولنس پہنچ گئی۔ نادر صاحب کو لٹایا گیا۔ تھوڑی ہی دیر میں ایمبولنس اسپتال پہنچ گئی۔ اسپتال پہنچ کر ان کو ایمرجنسی وارڈ میں منتقل کر دیا گیا۔ نادر صاحب کے ساتھ بیٹا علی اور ان کی اہلیہ تھیں۔ ڈاکٹر کے مطابق ان کی طبیعت مہلک زہر کی وجہ سے خراب ہوئی۔ تین دن کے بعد ان کو ڈسچارج کر دیا گیا۔ گھر پہنچ کر علی پانی بھرنے گیا تو اس کی نظر چھپکلی پر پڑی۔ اس نے چیخ مار کر سب کو بلایا۔ اب سب کی سمجھ میں یہ بات آ چکی تھی کہ ذرا سی بھی کاہلی یا لاپروائی نہیں کرنی چاہیے۔

قول و فعل

محمد سعد اسد، تونسہ شریف

آج عبداللہ اور احسن کی زور دار لڑائی ہوئی۔ بات صرف یہ تھی کہ احسن نے عبداللہ کی کہانیوں کی کتاب اُٹھالی تھی۔ عبداللہ کو لڑائی کے لیے اتنا بہانہ کافی تھا۔ عبداللہ کا ہاتھ زخمی ہوا تو احسن کے کندھے پر زخم آیا تھا۔ ابو آئے تو دونوں کو پاس بلایا۔ پیار سے سمجھایا کہ لڑنا اچھا نہیں ہوتا۔ بُری بات ہوتی ہے۔ تو دونوں شرمندہ ہوئے۔ جب دونوں چلے گئے تو ابو نے عبداللہ کو پھر بلایا اور کہا: ''بیٹا! تم بڑے ہو۔ بڑوں میں صبر و تحمل ہوتا ہے۔ بڑے، چھوٹوں کو معاف کر دیتے ہیں۔ چھوٹوں سے غلطی ہو جاتی ہے۔ انھیں معاف کر دینا چاہیے۔''

عبداللہ ''جی'' کہہ کر چپ ہو گیا اور چلا گیا۔

آج گھر میں مہمان آئے ہوئے تھے۔ چائے میں چینی کم تھی۔ سو چائے بد مزہ ہو گئی تھی۔ مہمانوں کے جانے کے بعد ابو نے آ کر امی سے خوب جھگڑا کیا۔ اچانک عبداللہ بول اُٹھا: ''ابو! آپ عمر میں امی سے بڑے ہیں ناں!''

ابو نے اثبات میں سر ہلایا۔

''تو پھر آپ نے کہا تھا ناں کہ بڑے چھوٹوں کو معاف کر دیتے ہیں۔ چھوٹے آخر چھوٹے ہوتے ہیں۔ ان سے غلطی ہو جاتی ہے۔ تو معاف کر دیں ناں امی کو۔''

امی نے معنی خیز نظروں سے ابو کی طرف دیکھا۔ ابو کا سر مارے شرم کے جھک گیا۔

عبداللہ کی باتیں واضح طور پر کہہ رہی تھیں کہ آپ ہمیں تو اچھی باتوں پر عمل کا درس دیتے ہیں، مگر خود اُن پر عمل نہیں کرتے۔ بعض اوقات ہم دوسروں کو اچھی باتوں پر عمل کرنے کی نصیحت کرتے ہیں، مگر خود عمل نہیں کرتے۔

عادل بادشاہ

محمد حسیب عباسی، سکھر

پرانے زمانے کی بات ہے۔ ایک ملک پر سخت گیر بادشاہ حکومت کرتا تھا۔ وہ رعایا پر طرح طرح کے ٹیکس عائد کرتا اور ٹیکس کے پیسے

دوسرے ممالک میں جا کر فضولیات میں ضائع کرتا۔ بادشاہ کی دیکھا دیکھی وہاں کے تاجروں نے بھی عوام پر ظلم شروع کر دیا۔ ایک روپے والی چیز پانچ روپے کی بیچ کرنا جائز منافع کماتے۔ بادشاہ کو اس سے کوئی غرض نہیں تھی کہ ملک میں کیا ہو رہا ہے، عوام کس حال میں ہیں۔

بادشاہ جب رعایا پر ٹیکس لگا کر تھک گیا تو عوام نے ٹیکس کے خلاف احتجاج شروع کر دیا۔ بادشاہ نے اس کا حل یہ نکالا کہ ایک بڑے ملک سے سود پر قرض لیا جو آمدنی سے زیادہ تھا۔ ملک قرض و سود کی دلدل میں دھنستا گیا۔ اتنے میں بادشاہ کا انتقال ہو گیا۔ بادشاہ کے انتقال کے بعد اس کا بیٹا بادشاہ بنا جو نیک، صالح اور ایمان دار تھا۔ وہ اپنی رعایا کو خوش حال دیکھنا چاہتا تھا۔ اس نے غریبوں پر ٹیکس کم کر دیے اور امیر لوگوں پر ٹیکس لگائے، تاکہ ملک کا قرضہ اُتر سکے، لیکن تاجروں نے ٹیکس دینے کے بجائے چیزیں مہنگی کر دیں اور طرح طرح کے جتن کرنے لگے کہ کسی طرح بادشاہ کی حکومت ٹھیک نہ چلے۔

جب بادشاہ کو خبر ہوئی کہ تاجر عوام سے چیزوں کی زیادہ قیمت وصول کر رہے ہیں اور مہنگائی میں اضافہ ہو رہا ہے تو بادشاہ کے ذہن میں ایک ترکیب آئی۔ اس نے اپنے وزیر کو کمہار کے روپ میں بازار بھیجا کہ جاؤ بازار سے ایک مٹکا خرید لاؤ اور پوری مارکیٹ سے قیمت کی جانچ کرنا تاکہ پتا چلے کہ کون کون تاجر عوام کو لوٹ رہا ہے۔

وزیر ایک دوکان پر گیا، مٹکے کی قیمت معلوم کی۔ دوکان دار نے چار روپے بتائی۔ دوسرے دوکان سے معلوم کیا، اس نے پانچ روپے بتائی۔ غرض سب دوکان داروں نے مہنگائی کے لیے بادشاہ کو ذمے دار ٹھہرایا اور خود کو لاچار ظاہر کیا۔ ساری باتیں وزیر نے بادشاہ کو بتا دیں۔

اگلے دن بادشاہ نے وزیر سے کہا کہ آج مٹکا لے کر جاؤ اور بیچنا شروع کر دو۔ وزیر نے ایسا ہی کیا بازار کے سب دوکان داروں نے اس کی قیمت ۵۰ پیسے سے زیادہ قیمت نہیں لگائی۔ وزیر نے کہا: ''کل تو آپ یہی مٹکا ۵ روپے کا دے رہے تھے اور آج پچاس پیسے کا خرید رہے ہو۔''

وزیر نے سب واقعات بادشاہ کو بتا دیے۔ بادشاہ نے ان تاجروں کو سخت سزا دی، جو عوام کا خون چوس رہے تھے۔ چند تاجروں کو سزا دی تو باقی سب تاجر راہِ راست پر آ گئے۔ اس طرح تاجروں نے ٹیکس بھی دینا شروع کر دیے جس سے ملک کا قرضہ بھی اُتر گیا۔ ہر چیز سستی ہو گئی، ملک خوش حال ہو گیا۔ اب عوام نیک بادشاہ کو دعا دے رہے ہیں۔

آدھی ملاقات

شامل اشاعت بیشتر خطوط ہمدرد نونہال دسمبر ۲۰۱۹ء سے متعلق ہیں

انسانی صلاحیتوں کی نشو ونما کے لیے کہانی کی اہمیت آپ کی پہلی بات نے سمجھائی۔ سوچ کے کئی دَر کھلتے ہیں۔ قائداعظم کی خوش مزاجی نے ہونٹوں پر مسکراہٹ سجادی۔ اس بار کہانیوں میں سیدھے کا اُلٹا عمدہ کہانی ہے۔ یہ منھ اور مسور کی دال، پانچ لاکھ، کاہل میاں، افواہ سازی، محنت کا جادو تمام کہانیاں بہت پسند آئیں۔ ''توپ کے دہانے میں نیند'' اچھا انتخاب ہے۔ دو بیل، اَن دیکھی رَو، قائد کے مشغلے، ننھی منی چڑیاں ہر تحریر بہت خاص ہے۔ پانی کا قطرہ اور گنتی کا گیت دونوں نظمیں بہت پسند آئیں۔ سفر نامہ امریکا حسبِ معمول دل چسپ ہے۔ مستقل سلسلے تو ہیں ہی لاجواب۔

عشرت جہاں، لاہور

ہر بار کی طرح اس بار بھی رسالہ بہت اچھا تھا۔ تمام کہانیاں پڑھ کر بہت مزہ آیا۔ دسمبر کے شمارے میں معلومات افزا کے آخری سوال میں جو شعر ہے اس کے شاعر کا نام ''سیماب اکبر آبادی'' لکھا ہوا ہے، جب کہ یہ تو ''بہادر شاہ ظفر'' کا شعر ہے۔

علشبہ آصف، احمد پور شرقیہ

یہ شعر سیماب صاحب کا ہی ہے اور مستند ہے۔

دسمبر کا شمارہ بہت اچھا لگا۔ شہید حکیم محمد سعید کی باتوں نے اُمید کی ایک نئی کرن پیدا کی۔ یہ منھ اور مسور کی دال بہت مزے دار تھی۔ قائداعظم کے مشغلے پڑھ کر روزانہ لائبریری جا کر اخبارات پڑھنے کا ارادہ کرلیا۔ قائداعظم کی شخصیت واقعی ہمارے لیے مشعل راہ ہے۔ علم دریچوں میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے سیب والے واقعے سے معلوم ہوا کہ حکمرانی کتنی مشکل ہے اور قائداعظم کے ہاتھ چومنے والے واقعے سے معلوم ہوا کہ وہ شخصیت پرستی کو کس قدر ناپسند کرتے تھے۔ نظم پانی کا قطرہ بہت اچھی لگی۔ ہیرا پھیری بہت مزاحیہ تھی۔ اسٹیو جابز کے بارے میں پڑھ کر کچھ کر گزرنے کا جذبہ پیدا ہوا۔ نام بوجھیے کا سلسلہ بہت اچھا چل رہا ہے۔ ننھی منی چڑیاں پڑھ کر بہت سی معلومات حاصل ہوئیں اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کے بارے میں مزید معلوم ہوا۔ نونہال خبر نامہ بھی ایک اچھا سلسلہ ہے۔ افواہ سازی پڑھ کر بہت لوگوں کو کچھ سیکھنے کا ملے گا۔

محمد اُسامہ اقبال، بہاول پور

دسمبر کا شمارہ بہت اچھا تھا۔ سال کے آخری شمارے کی ہر کہانی بہت اچھی تھی۔ بلاعنوان کہانی بھی اچھی

تھی۔شین شرارت پڑھ کر بہت مزہ آیا۔اُمید ہے کہ نئے سال کا شمارہ بھی اسی طرح اچھا ہوگا۔

نرین بانو سلیم الدین، حیدرآباد

جاگو جگاؤ اور پہلی بات ہر بار کی طرح پھر دل کو چھو گئی۔تمام کہانیاں سپر ہٹ تھیں۔نونہال ادیب کی کہانیاں ننھے ادیبوں کی تراوشِ قلم کا شاہ کار تھیں۔ نونہال مشاعرے میں اپنا شعر اور نام دیکھ کر بہت زیادہ خوشی ہوئی۔تمام مضامین پڑھ کر بہت کچھ نیا سیکھنے کو ملا۔شین شرارت سے چہرے پر مسرت آ گئی۔سال کا آخری شمارہ بھی ہر شمارے کی طرح زبردست تھا۔

رقیہ محمد اقبال شاہ، لیاری، کراچی

دسمبر کا شمارہ پسند آیا۔سرورق بہت خوب صورت تھا۔ تمام تحریریں دل چسپ تھیں۔ذہنی ورزش کے اعتبار سے مختلف چیزیں اچھی لگیں۔مسکراتی لکیریں او ربچوں کا تصویر خانہ بھی دوبارہ شامل ہوجائے تو رسالے کی رونق میں اضافہ ہو۔تحریر ''یہ منھ اور مسور کی دال'' کا مطلب سمجھ نہیں آیا۔ وضاحت فرمائیے۔اُمیمہ ابیہا ریان کی نظم وطن میں ایک شعر جنت سے بھی پیاری تری ایک ایک گلی ہے'' نا مناسب ہے۔

شایان احمد، کراچی

''یہ منھ اور مسور کی دال'' اردو زبان کی ایک ضرب المثل ہے اور ضرب المثل کے پیچھے ایک کہانی ہوتی ہے۔آپ نے غور نہیں کیا نظم وطن ملک کے معروف وممتاز شاعر قتیل شفائی نے لکھی ہے۔آپ نے جو کہانی بھیجی ہے، وہ پہلے چھپ چکی ہے۔

۲۰۱۹ء کا آخری شمارہ خوب صورت سرورق کے ساتھ ہاتھ میں آیا۔بچی کی تصویر بہت ہی خوب صورت تھی۔ جاگو جگاؤ اور پہلی بات پڑھ کر سبق سیکھا۔حمد (شریف شیوہ) اچھی تھی۔روشن خیالات میں بھی تجربے اور دانائی سے بھری باتیں تھیں۔ ارسلان اللہ خان کی نظم ''سردی کا موسم'' پڑھ کر بہت اچھا لگا۔کہانیوں میں سب سے اچھی کہانی پانچ لاکھ تھی، باقی کہانیاں بھی ایک سے بڑھ کر ایک تھیں۔کہانی افوہ سازی بہت اچھی تحریر تھی۔شین شرارت میں لطیفے بہت اچھے تھے۔نونہال مصور میں شیخ محمد معاویہ کی مصوری سب سے اچھی لگی غرض کہ دسمبر کا پورا شمارہ بہت ہی زبردست تھا۔

حمنہ محمد عقیل شاہ، لیاری، کراچی

دسمبر کا ہمدرد نونہال دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔سرورق پر ننھے بچے کی تصویر بہت خوب لگی۔نونہال مکمل طور پر دل چسپ اور معلوماتی رسالہ ہے ماشاءاللہ پوری ٹیم تعریف کے قابل ہے۔اللہ تعالیٰ اسی طرح ہمارے پیارے رسالے کو چمکتا دمکتا رکھے (آمین)

سیدہ فاطمہ شعیب، کراچی

جاگو جگاؤ میں شہیدِ پاکستان حکیم محمد سعید کی دل کو چھو لینے والی باتیں ''پہلی بات'' میں سلیم مغل کی کہانی کے متعلق معلومات بہت زبردست تھیں۔ چودھری اسد اللہ خاں کی تحریر ''قائد کی خوش مزاجی'' بہت زبردست تھی اور تصویر بھی بہت خوب صورت تھی۔ بڑے لوگوں کی بڑی باتیں یعنی ''روشن خیالات'' ہمیشہ کی طرح بہت اچھی۔ دو بیلوں کی کہانی سبق آموز تھی۔ یہ منھ اور مسور کی دال (راؤ جی)، قائداعظم کے مشغلے (ظلِ ہما)، پانچ لاکھ اچھی مثالی کہانی تھی۔ علم دریچے میں قتیل شفائی کی نظم ''میرے وطن'' اچھی تھی۔ شین شرارت، ہیرا پھیری (عشرت جہاں) سبق آموز کہانی تھی۔ سلیم مغل کا ''سفرنامہ'' اور تمام نظمیں بہت عمدہ اور اچھی تھیں۔ سلیم فرخی کی تحریر ''نام بوجھیے'' دل چسپ اور معلوماتی رہی۔ احمد عدنان طارق کی بلاعنوان کہانی پہلے بھی کہیں پڑھی تھی۔ نونہال خبرنامہ میں خرم فرخی نے ایک بار پھر ہمیں حیران کر دیا۔ ابنِ انشا اور رابعہ فاروق کی تحریریں بہت ہی شگفتہ تھیں۔ آخر میں نونہال لغت جس سے ایک بار پھر معلومات کے ذخیرے میں اضافہ ہوا، شکریہ۔

اُمِ ایمن محمد عقیل شاہ، لیاری، کراچی

☆ میں ہمدرد نونہال تقریباً تیسری جماعت سے پڑھتی آ رہی ہوں۔ مجھے دسمبر کا شمارہ بہت پسند آیا۔ ہمیشہ کی طرح تمام کہانیاں دل چسپ تھیں۔ نظم گنتی کا گیت پڑھ کر بہت مزہ آیا۔ قائداعظم کے مشغلے پڑھ کر خوب مزہ آیا۔ مجھے کھانا پکانے کا بہت شوق ہے۔ میں یہ پوچھنا چاہتی ہوں کہ کیا میں کھانے کی ترکیبیں ہمدرد نونہال میں بھیج سکتی ہوں؟

عائشہ جواد، اسلام آباد

جی ہاں، ضرور، لیکن آسان اور مزے دار ہوں۔

کہانی پانچ لاکھ اچھی لگی۔ مرے قائداعظم پڑھ کر مزہ آیا۔ روشن خیالات میں سارے خیالات ہی سبق آموز تھے۔ نونہال مشاعرہ اچھا سلسلہ ہے۔ بلاعنوان کہانی، کہانی کا ہل میاں کی اور افواہ سازی بھی بہت پسند آئی۔ نام بوجھیے اس بار آسان تھا۔ نونہال خبرنامہ سے اہم خبریں معلوم ہوئی۔ نونہال ادیب میں تقریباً سبھی نے اچھا لکھا۔ علم دریچے نے ہمیشہ کی طرح علم میں اضافہ کیا۔ جاگو جگاؤ میں حکیم محمد سعید نے ہمیشہ کی طرح اچھا پیغام دیا۔ غرض یہ کہ شمارہ زبردست رہا۔

محمد احمد اسلم، عزیر اسلم، کراچی

نومبر کا شمارہ بہت شان دار تھا، بلکہ ہر شمارہ ہی بہت شان دار اور اچھا ہوتا ہے۔ شین شرارتیں پڑھ کر بہت مزہ آیا۔ نونہال مصور میں تمام تصویریں بہت اچھی تھیں۔

علشبہ آصف، احمد پور شرقیہ

ہمیشہ کی طرح ماہِ دسمبر کا شمارہ بھی شان دار ہے۔ تمام تحریریں بہت شان دار تھیں۔ خاص طور پر جا گو جگاؤ، روشن خیالات، شین شرارت اور نظم پانی کا قطرہ بہت پسند آئی۔ مستقل سلسلے میں جا گو جگاؤ، روشن خیالات، نونہال مشاعرہ اور علم دریچے بہترین تھے۔ لطیفوں نے بھی بہت مزہ دیا۔

ایمن شیخ، جگہ نامعلوم

سرورق خوب دل کش لگا۔ ''حمد باری تعالیٰ'' پڑھنے کے بعد جا گو جگاؤ پر نظر پڑی۔ واقعی شہید حکیم محمد سعید نے پاکستان بننے کا مقصد بتادیا اور آخر میں زبردست پیغام دیا۔ سلیم مغل کی پہلی بات میں کہانی کی اہمیت کا پتا چلا۔ چودھری اسد اللہ خان نے قائداعظم کی خوش مزاجی کے واقعات سنائے، پسند آئے۔ روشن خیال میں اقوال پڑھ کر اپنے اندر جھانکنے کا موقع ملا۔ راؤ جی کی کہانی ''یہ منھ اور مسور کی دال'' پڑھ کر مزہ آ گیا۔ ''پانچ لاکھ'' کی وجہ سے بھائیوں کا اصلی چہرہ سامنے آ گیا۔ علم دریچے پڑھ کر بھی اچھا سبق ملا۔ شین شرارت میری سب سے زیادہ پسندیدہ ہوتی ہے۔ اسٹیو جابز کے نام، پڑھ کر معلومات میں اضافہ ہوا۔

محمد حسن دانش منصوری جی، کراچی

سرورق پر اپنے ہاتھ دکھاتی بچی پیاری لگ رہی تھی۔ Massage of month میری سمجھ میں نہیں آیا۔ انکل حکیم محمد سعید کی تحریروں سے مجھے بہت کچھ سیکھنے کو ملا ہے۔ ''ایک خدا ہے'' مجھے بہت پسند آئی۔ پہلی بات میں کہانی کے بارے میں پڑھ کر میرے دل میں کہانی لکھنے کا جذبہ پیدا ہوا، لیکن خوب سوچنے کے بعد بھی مجھے کوئی موضوع نہ ملا۔ قائداعظم کی خوش مزاجی پڑھا، مزہ آیا۔ روشن خیالات کو شروع کے صفحات میں رکھنا چاہیے۔ یہ منھ اور مسور کی دال، پانچ لاکھ، ہیرا پھیری، افواہ سازی، سیدھے کا اُلٹا، کہانی کا اہل میاں کی اور نونہال ادیب میں نظم ''چپل ٹوٹ گئی'' یہ ساری کہانیاں اور نظمیں نمبر ون پر ہیں اور جو رہ گئی ہیں وہ نمبر دو پر ہیں۔ اسٹیو جابز کے نام، سفر نامہ امریکا ہمیشہ کی طرح سپر ہٹ تھا۔ شین شرارت تو مجھے ہر دفعہ ہی پسند آتا ہے۔

اصبح احمد، آزاد کشمیر

سب سے پہلے آدھی ملاقات پر پہنچے وہاں اپنا خط دیکھا تو دل مسرور ہوا اور بے اختیار دل سے یہ دعا نکلی کہ اے اللہ! ہمدرد نونہال کو دن دگنی رات ترقی عطا فرمائیں۔ دسمبر کا شمارہ بہت اچھا لگا۔ ''دو بیل تھے بے چارے'' کی کہانی سے اتفاق سے رہنے کا سبق حاصل کیا۔ شین شرارت بہت اچھی رہی۔

محمد حذیفہ ستار بن عبدالستار، کراچی

جاگو جگاؤ نے اچھا پیغام دیا۔ پہلی بات نے بھی اچھا سبق دیا۔ شین شرارت نے بھی خوب ہنسایا۔ باکمال لوگ نے بھی بہت کچھ سکھایا۔ امریکا کا سفرنامہ بہترین جارہا ہے۔ پاکستانی کرنسی کے سفر نے معلومات میں اضافہ کیا۔ جہاں کہانیوں کی بات آتی ہے تو انسان اور مشین، عظیم معلم، تربیت پسند آئیں۔ نونہال ادیب میں تمام کہانیاں اچھی تھیں۔

ابیہا ضیاء، فیصل آباد

کہانیوں میں سب سے اچھی کہانی کاہل میاں کی، ہیرا پھیری اور یہ منہ اور مسور کی دال لگیں۔ شین شرارت نے تو دل جیت لیا۔ سرورق تو ہمیشہ ہی اچھے ہوتے ہیں۔ لغت سے بہت معلومات ملتی ہے۔ نظمیں ساری خوب تھیں۔ نیز پورا رسالہ سپرہٹ تھا۔

اسماء خان، میرپور خاص

تمام ہی کہانیاں اچھی تھیں۔ خاص طور پر بلاعنوان سب سے اچھی لگی۔ علم دریچے نے معلومات میں اضافہ کیا۔ نونہال مصور میں سب کی مصوری اچھی تھی۔ نونہال ادیب میں شاکر اللہ کی تحریر سب سے اچھی تھی۔ باقی شمارہ بھی بہت اچھا تھا۔

عزیر اسلم، کراچی

آدھی ملاقات میں اپنا کٹا پھٹا تعریفی خط دیکھا تو عجیب سے خوشی ہوئی۔ خط میں رائے اور تنقید شامل نہیں تھی۔ تازہ شمارے میں حمد، جاگو جگاؤ اور پہلی بات۔ نظم ''سردی کا موسم (ارسلان اللہ خان)، قائداعظم کے مشغلے (ظلِ ہما) بہت مناسب تھی۔ شین شرارت میں کافی لطیفے نئے تھے۔ ہیرا پھیری، سیدھے کا اُلٹا اور محنت کا جادو لاجواب تھی۔ اسٹیو جابز کے نام (سلیم مغل) نے کمال کر دیا۔ بیٹھے بٹھائے اتنی معلومات دے دیں۔ کہانی کاہل میاں کی اپنے اندر سبق لیے ہوئے تھی۔ اس مرتبہ کا نام بوجھیے اور معلومات افزا دونوں بہت آسان معلوم ہوئے۔ بلاعنوان کہانی میں بچکانہ عنصر زیادہ نمایاں تھا۔

اشتیاق سرور اعوان، اسلام آباد

اپنے بچپن سے نونہال پڑھ رہی ہوں۔ کبھی باقاعدہ کبھی بے قاعدہ، مگر ہر بار کچھ نہ کچھ سیکھنے کو ہی ملا۔ اب میری بیٹی اس قابل ہو رہی ہے کہ ہمدرد نونہال کے مطالعے میں میرے ساتھ شریک ہو جائے۔ گو کہ اب رسالے میں کچھ نئی تبدیلیاں آئی ہیں، مگر مثبت اور اچھی ہیں۔ جدید دور کے تقاضوں سے ہم آہنگ، اس ماہ (دسمبر ۱۹ء) میں شریف شیوہ کی ''ایک خدا ہے'' آسان الفاظ میں لکھی گئی حمد ہماری سب سے چھوٹی بیٹی مریم نے اٹک اٹک کر پڑھ ہی لی۔ جاگو جگاؤ ہمیشہ کی طرح

سبق آموز اور پہلی بات کہانی کے حوالے سے تھی۔ قائداعظم کی خوش مزاجی کے واقعات پڑھ کر لطف آیا۔ دو بیل تھے بے چارے، پڑھ کر اُمتِ مسلمہ کا خیال آیا۔ سردی کا موسم، مزے دار نظم ہے۔ یہ منھ اور مسور کی دال آج کے حالات میں یہ محاورہ اور بھی زندہ اور توانا ہوگیا۔ پانچ لاکھ میں کرمو نے بڑی ہوشیاری سے اپنے خودغرض اور لالچی بھائیوں سے جان چھڑائی۔ علم درتیچے میں بہت کچھ تھا۔ معلومات بھی حیرت اور دل چسپی بھی۔ ''اَن دیکھی رَو'' اگر برقی رو بن کر معاشرے میں پھیل جائے تو کتنا سدھار اور خوب صورتی آجائے۔ شین شرارت سارے ہی مزے دار تھے۔ ہیرا پھیری پڑھ کر خیال آیا یہ تو ہمارا قومی رویہ ہے۔ کیا خواص کیا عوام۔ نونہال مصور ماشاء اللہ سب ہی ہوشیار اور باصلاحیت نونہال ہیں۔ اسٹیو جابز کے بارے میں تحریر دل چسپ اور معلوماتی تھی۔ اس شخص کے سب کارنامے اپنی جگہ ،مگر یہ بھی شاید اسٹیو جابز نے ہی کہا تھا نا کہ وہ دور اچھا تھا جب ایپل اور بلیک بیری پھل ہوا کرتے تھے۔ نونہال مشاعرہ میں ''وہ آئے بزم میں اتنا تو برق نے دیکھا'' یہ شعر اکثر میؔر کے حوالے سے پڑھا ہے۔ کون ہے اصل خالق، میؔر یا برقؔ؟ نام بوجھیے میں کتاب کا نام ''صحرا نورد کے خطوط'' پڑھ کر نام بوجھ لیا۔ ننھی منی چڑیاں تصاویر بھی پیاری تھیں اور تحریر بھی۔ بعض معلومات تو حیرت انگیز تھیں۔ نونہال خبرنامہ نے ہمیشہ کی طرح ہمیں سوچنے پر مجبور کیا۔ اک ہم ہیں کہ لیا اپنی ہی صورت کو بگاڑ، ایک وہ ہیں جنھیں تصویر بنا آتی ہے، سیدھے کا اُلٹا میں نے مزے لے لے کر پڑھی۔ ڈاکٹر جمیل جالبی کے بارے میں پڑھ کر معلومات میں مزید اضافہ ہوا۔ کاہل میاں کی کہانی پڑھ کر ہنسی تو آئی مگر یہ لمحہ فکریہ بھی ہے۔ نونہال ادیب میں سب نے عمدہ لکھا۔ خصوصاً اور چپل ٹوٹ گئی۔ جدید ٹیکنالوجی نے جہاں بہت سی مشکلات ختم اور کم کردی ہیں وہاں بہت سے مسائل کو بھی جنم دیا ہے۔

نعیمہ ناز سلطان، شاہ فیصل کالونی

دسمبر ۲۰۱۹ء کے شمارے پر آپ کا تبصرہ بہت عمدہ تھا اور پورا چھاپنے کے قابل تھا، مگر جگہ کم ہونے کی وجہ سے چند سطریں ہی آسکی ہیں۔ نونہال مشاعرہ کا وہ شعر میؔر کا نہیں برقؔ کا ہی ہے، مستند ہے۔ آئندہ بھی اپنی رائے کا اظہار کرتی رہیں۔

نونہال لغت

آفرین	آ ف ر ی ن	تعریف وتحسین کا ایک کلمہ۔ شاباش۔ مرحبا۔
مصمم	م ص م م	پکا۔ مضبوط۔ مستحکم۔
بےخود	بے خ و د	مخمور۔ سرشار۔ مدہوش۔ بے ہوش۔
آلودگی	آ ل و د گی	گندگی۔ آلائش۔ آلودہ کی اسم کیفیت۔
مدلل	م د ل ل ل	دلیل سے ثابت کیا ہوا۔ معقول۔ ٹھیک۔ درست۔
گراں	گ ر آ ں	مہنگا۔ بھاری۔ ثقیل۔ ناگوار۔ تکلیف دہ۔
سدباب	س د ے ب ا ب	کسی بات کی قطعی ممانعت کرنا یا ہونا۔
تدارک	ت د ا ر ک	گم شدہ چیز کا پانا۔ درستی۔ اصلاح۔ جتن۔ چارہ۔ تلافی۔
پیروکار	پ ے ر و ک ا ر	کسی معاملے میں کسی طرف سے پیروی کرنا۔ تقلید کرنے والا۔ مرید۔
سفارت	س ف ا ر ت	سفیر کا عہدہ۔ ایلچی یا سفیر کے فرائض، پیامبر بن کر جانا۔
صنف	ص ن ف	نوع۔ قسم۔ جنس۔ گونہ۔
ادراک	ا د ر ا ک	عقل۔ فہم۔ سمجھ۔ رسائی۔ دریافت کرنا۔
حصار	ح ص ا ر	چاردیواری۔ احاطہ۔ گھیرا۔ شہر پناہ۔ فصیل۔
قیادت	ق ی ا د ت	راہ بری۔ ہدایت۔ راستہ دکھانا۔
مداح	م د ا ح	تعریف کرنے والا۔ ثنا خواں۔
منفرد	م ن ف ر د	اکیلا۔ تنہا۔ واحد۔ مفرد۔ یگانہ۔ یکتا۔
پروہت	پ ر و ہ ت	خاندانی برہمن جو تمام خاندان کی پوجا پاٹ، موت اور بیاہ کی رسوم ادا کرتا ہے۔ مذہبی کام انجام دینے والا پنڈت۔